فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾	سو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور سچائی کو جھٹلاتا ہے، جب وہ اس کے پاس آتی ہے۔کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں؟
وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾	اور وہ جو سچائی کو لایا اور اس کی تصدیق کرتا ہے، یہی متقی ہے۔(2877)
لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿ۚۖ۳۴﴾	ان کے لیے اپنے رب کے پاس ہے جو کچھ وہ چاہیں۔یہ نیکی کرنے والوں کا بدلہ ہے۔
لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾	تاکہ اللہ ان سے وہ بہت برے عمل دور کر دے جو انہوں نے کیے اور ان کو ان کے بہترین اعمال جو وہ کرتے تھے بدلہ دے۔
اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿ۚ۳۶﴾	کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور تجھے ان سے ڈراتے ہیں جو اس کے سوائے ہیں۔اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرائے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔(2878)

2877- پہلی آیت میں اللہ پر جھوٹ بولنے والے اور سچائی کو جھٹلانے والے گروہ کا ذکر ہے۔اس میں سچائی کے لانے والے اور سچائی کی تصدیق کرنے والے گروہ کا۔اللہ پر جھوٹ بولنا مشرکانہ عقائد کی ترویج ہے جیسے یہ کہ اللہ کا بیٹا ہے اور یا بت ہمارے شفیع اور کارساز ہیں۔اور پھر اس غلطی پر دوسری غلطی یہ کہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سچائی لانے والے اور تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والے تو نبی کریم ﷺ ہیں اور پھر آپ کا ہر متبع اس ذیل میں آجاتا ہے۔

2878- مشرکین عرب خود تو ہم پرست اور بزدل تھے۔ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بت نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو بھی ڈراتے ہوں گے جیسا مفسرین نے لکھا ہے۔مگر یہاں ﴿بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ہے جس سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار ہیں جو آپ کے خلاف منصوبے کرتے تھے۔اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے تمام منصوبوں اور کوششوں سے اللہ تعالیٰ اپنے

وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ غالب سزا دینے والا نہیں؟

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو کہیں گے اللہ نے۔ کہہ، تو کیا تم نے غور نہیں کیا کہ وہ جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس کی (بھیجی ہوئی) تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر وہ مجھ پر رحم کرنا چاہے تو کیا وہ اس کے رحم کو روک سکتے ہیں؟ کہہ، اللہ میرے لیے بس ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہہ، اے میری قوم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ سو تم جان لو گے۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور اس پر باقی رہنے والا عذاب نازل ہوگا۔(2879)

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ

ہم نے تجھ پر لوگوں (کی بھلائی) کے لیے حق کے ساتھ کتاب

بندے کو بچانے کے لیے کافی ہے۔

2879- پہلے عذاب (یعنی رسوا کرنے والے عذاب) میں اشارہ عذاب دنیوی کی طرف ہے اور عذاب مقیم دوزخ کا عذاب ہے۔ (ر) اس سے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے شروع سے ہی آنحضرت ﷺ کے مخالفین کو صفائی سے بتا دیا تھا کہ ان پر اسی دنیا میں عذاب یا ذلت آئے گا۔

بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾ ع 4 10 1

اتاری ہے۔ سو جو کوئی سیدھی راہ پر چلتا ہے تو وہ اپنے (بھلے کے) لیے ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اس کے گمراہ ہونے کا وبال اسی پر ہے اور تو ان کا ذمہ دار نہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ
لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو مرے نہیں ان کی نیند میں پھر انہیں روک رکھتا ہے جن پر موت کا حکم ہو چکا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے۔ اس میں ان کے لیے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ (2880)

2880- ﴿اَلْمَنَامِ﴾ نَوْمٌ کی تفسیر کئی طرح پر کی گئی ہے اور وہ سب مختلف نظروں سے صحیح ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا ہے بخارات کی رطوبتوں سے جو اس کی طرف چڑھتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر موت نفس کو قبض کر لے۔ اور کہا گیا ہے کہ نوم موت خفیف ہے اور موت نوم ثقیل ہے اور مَنَامٌ اور نَوْمٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور [نَامَتِ السُّوْقُ] یا بازار سو گیا کے معنی ہیں تجارت ٹھنڈی پڑ گئی۔ [نَامَ الثَّوْبَ] کے معنی ہیں کپڑا پرانا ہو گیا اور یہ معنی بلحاظ تشبیہ ہیں۔ (غ)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا **توفی نفس یا قبض روح کا قانون** بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ توفی نفس دو وقتوں میں ہوتا ہے۔ ایک موت کے وقت اور ایک نیند میں۔ یہ آیت اس بات کے لیے فیصلہ کن ہے کہ توفی میں وہ چیز جو اللہ تعالیٰ لیتا ہے کیا ہے؟ یہاں توفی کا مفعول انفس ہے جو نفس کی جمع ہے اور نفس کے معنی حسب ذیل ہیں۔ روح حیوانی، نفس ناطقہ، سارا انسان [دیکھو نمبر: 598] توفی میں ان میں سے کون سی چیز لی جاتی ہے؟ ظاہر ہے کہ سارا انسان نہیں لیا جاتا کیونکہ نیند اور موت دونوں میں جسم یہیں رہ جاتا ہے اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر کہیں اور نہیں لے جاتا۔ پس سارا انسان اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے تو اس پر لفظ توفی نہیں بولا جائے گا۔ جب کسی کے متعلق لفظ توفی بولا جائے گا تو یہ اس کا لازم نتیجہ ہوگا کہ اس کا جسم نہیں لیا گیا۔ آیا روح حیوانی لی جاتی ہے؟ یہ بھی ظاہر ہے کہ نیند میں روح حیوانی انسان کے اندر موجود ہوتی ہے اور موت میں نہیں۔ اس لیے توفی نفس سے مراد روح حیوانی کا لیا جانا بھی نہیں۔ باقی صرف ایک صورت رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ نفس ناطقہ یا وہ چیز جس سے عقل و تمیز ہے لی جائے اور یہی صحیح ہے، اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ اول یہ کہ توفی کا لفظ صرف انسان پر بولا جاتا ہے دوسرے

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا انہوں نے اللہ کے سوائے سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہہ، کیا اگر وہ نہ کچھ اختیار رکھتے ہو اور نہ عقل رکھتے ہوں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہہ، سفارش سب اللہ کے اختیار میں ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

جانداروں پر نہیں۔ اگر روح حیوانی کا لیا جانا مراد ہوتا تو یہی لفظ دوسرے جانداروں پر بھی بولا جاتا۔ دوسرے یہ کہ نیند اور موت دونوں میں جو چیز لی جاتی ہے وہ تمیز یا عقل انسانی ہی ہے اور کوئی چیز نہیں جو دونوں میں مشترک طور پر لی جاتی ہو۔ تیسرے جس غرض کے لیے توفی نفس ہوتی ہے وہ جزا و سزائے اعمال ہے اور اعمال کے کرنے میں گو جسم اور روح حیوانی شریک ہوتے ہیں۔ مگر اعمال کی ذمہ داری اور ان کا احساس تمیز یا عقل انسانی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے وہی چیز لی جانی چاہیے جس پر اصل ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہے اور ایک روح، اور ان دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کا سا تعلق ہے۔ اور نفس تو وہ ہے جس سے عقل اور تمیز ہے اور روح وہ ہے جس سے سانس لیتا اور حرکت کرتا ہے۔ سو موت کے وقت یہ دونوں لیے جاتے ہیں اور نیند میں صرف نفس لیا جاتا ہے۔ اور یہ نفس و روح میں فرق کے متعلق ایک قول ہے اور بعض نے اسے اکثر کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ر)

مُردہ زندہ کر کے اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا:

ایک اور امر جو اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ جب ایک شخص پر موت وارد ہو جائے تو اسے زندہ کر کے اس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا۔ گو یہاں نفس ناطقہ کا ذکر ہے لیکن چونکہ روح کے واپس آنے کا لازمی نتیجہ نفس ناطقہ کا واپس آنا ہے، اس لیے اگر نفس ناطقہ کو اللہ تعالیٰ روک رکھتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ روح حیوانی بھی واپس نہیں آتی۔ اور منام کے لفظ میں غشی وغیرہ بھی آ جاتے ہیں یعنی وہ تمام حالات جن میں عقل و تمیز واپس آ جاتی ہے۔ لیکن موت کے بعد نفس ناطقہ کا اس جسم کی طرف واپس آنا قرآن کریم کی صراحت کی رو سے محال ہے۔

اس آیت کا یہاں کیا تعلق ہے کہ موت اور نیند میں نفس انسانی کو لے لیا جاتا ہے۔ اس کی غرض جزا و سزائے اعمال کی طرف توجہ دلانا ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ اور بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو اعمال انسانی کی اصل محرک ہے لے لیتا ہے اور ان اعمال کی جزا و سزا لازمی طور پر اسے ملے گی۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس کے سوائے ہیں، تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ (2881)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَيۡبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡ مَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾

کہہ، اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غائب اور حاضر کے جاننے والے، تو اپنے بندوں میں اس بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَ لَوۡ اَنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّ مِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَافۡتَدَوۡا بِهٖ مِنۡ سُوۡٓءِ الۡعَذَابِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَحۡتَسِبُوۡنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر ان لوگوں کے لیے جو ظلم کرتے ہیں وہ سب کچھ بھی ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا (اور ہو) تو اس کے ساتھ برے عذاب سے (بچنے کے لیے) قیامت کے دن فدیہ دے دیں اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

وَ بَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۴۸﴾

اور ان کے لیے اس کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو وہ کماتے ہیں اور وہی انہیں آلے گا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔ (2882)

2881- ﴿اشۡمَاَزَّتۡ﴾ شَمۡزٌ۔ تَقَبَّضَ یعنی سکڑنا یا تنگ ہونا ہے۔ اور نفس کا کسی چیز سے دور ہونا جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور یہاں زجاج نے معنی نَفَرَتْ کیے ہیں۔ (ل) اور دوسری جگہ ہے: ﴿وَاِذَا ذَكَرۡتَ رَبَّكَ فِي الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰۤى اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾﴾ [بنی اسرائیل: 46:17] ''اور جب تو قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتا ہے اپنی پیٹھیں پھیرتے ہوئے بدک کر چل دیتے ہیں۔''
یہ تو کفار کا ذکر ہے مگر آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے۔ اپنے اپنے حلقہ میں جس شخص کو بڑا مانتے ہیں اس کا ذکر نہ آئے تو ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔

2882- یہاں اشارہ عذاب دنیا کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور استہزا تو اسی پر زیادہ کرتے تھے اور عذاب اخروی کی طرف بھی۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا
خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾

سو جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں کہتا ہے یہ مجھے (اپنے) علم سے ملی ہے۔ بلکہ وہ آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (2883)

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾

یہی (بات) انہوں نے کہی جو ان سے پہلے تھے۔ تو وہ ان کے کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾

سو انہیں اس کے بدنتائج پہنچ گئے جو وہ کماتے تھے۔ اور جو ان میں سے ظلم کرتے ہیں انہیں اس کے بدنتائج پہنچ کر رہیں گے جو یہ کماتے ہیں اور وہ (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں۔

اَوَ لَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
ع 5/11/2 لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ (2884)

2883- ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ یعنی وجوہ کسب کے علم سے یہ چیز مجھے حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ اور ﴿اُوْتِيْتُهٗ﴾ اور ﴿هِىَ فِتْنَةٌ﴾ میں ضمیر نعمت کی طرف ہی ہے۔ پہلی جگہ بلحاظ معنی اور دوسری جگہ بلحاظ لفظ۔ اور ﴿فِتْنَةٌ﴾ اسے اس لیے کہا کہ کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا یہ ذریعہ ہے۔

2884- رحمت الٰہی کی وہ وسعت بے پایاں جس کو یہ آیت ظاہر کر رہی ہے دوسری کتابیں اس سے خالی ہیں۔ اگر کوئی تھکے ماندوں کو آرام کی خوش خبری دیتا ہے تو قرآن کریم تمام قسم کی خطا کاریوں اور زیادتیوں پر رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔ کس قدر کمال تعلیم اسلامی کا ہے کہ رحمت الٰہی کا دروازہ تو اتنا وسیع کھولا مگر یہ نہیں کہ کفارہ کی طرح ساتھ ہی گناہ پر جرأت کا باب بھی وا کر دیا ہو۔ بلکہ رجوع الی اللہ کی شرط رکھی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت سے بتا بھی دیا۔ ﴿وَ اَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ اس بارے میں افراط

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

کہہ، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سبھی گناہ بخش دیتا ہے۔ ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا
تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہیں مدد نہ ملے۔

وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۵۵﴾

اور اس بہتر بات پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی قبل اس کے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ
فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ
السّٰخِرِيْنَ ۙ﴿۵۶﴾

(ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کی جانب نگاہ رکھنے میں کوتاہی کی اور میں تو ہنسی کرنے والوں میں سے تھا۔[2885]

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۵۷﴾

یا کہے کہ اگر اللہ مجھ ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا۔

وتفریط کے دو پہلو ہیں۔ ایک عیسائی مذہب نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص کفارہ پر ایمان لے آئے جو گناہ چاہے کرتا جائے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور دوسرا ہندو مذہب نے کہ جتنی مدت چاہے توبہ کرے اور گناہوں کی معافی کے لیے روئے مگر خدا معاف ہی نہیں کرسکتا۔ **اسلام کی تعلیم افراط وتفریط کے درمیان ہے۔**

2885- ﴿يّٰحَسْرَتٰى﴾ حَسْرَتٰی اصل میں حَسْرَتِی ہے علیٰ تعلیلیہ ہے یعنی علت کے لیے اور ما مصدریہ۔ یعنی میری تفریط یا کوتاہی کی وجہ سے، جَنْب کے اصل معنی پہلو ہیں اور یہاں مطلب اس کا امر اور اس کی حد ہے جو اس نے مقرر کردی ہے۔ (غ) سَاخِرٌ

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٨

یا جب عذاب دیکھے تو کہے اگر میرے لیے لوٹ کر جانا ہوتا تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہوتا۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٩

ہاں میری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں پر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو منکروں میں سے تھا۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٦٠

اور قیامت کے دن تو ان لوگوں کو دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا (کہ) ان کے منہ کالے ہیں۔ کیا متکبروں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں؟

وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦١

اور جو تقویٰ کرتے تھے اللہ انہیں ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا۔ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (2886)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝٦٢

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٦٣ ع 6 11 3

آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (2887)

سَخِرٌ سے ہنسی کرنے والا۔

2886- ﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ با ملابست کے لیے ہے۔ یعنی عذاب یا جہنم سے نجات کے ساتھ انہیں کامیابی کی اعلیٰ منزل پر بھی پہنچائے گا۔ مَفَازَةٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 581]۔

2887- ﴿مَقَالِيْدُ﴾ قَلْدٌ سے ہے اور قِلَادَةٌ ہر وہ چیز ہے جو طوق بنائی جائے اور جو کسی چیز کا احاطہ کرلے اور ﴿مَقَالِيْدُ﴾ کے معنی ہیں وہ

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝٦٤

کہہ، اے جاہلو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ کے غیر کی عبادت کروں۔

وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٦٥

اور تیری طرف وحی کی گئی ہے اور ان کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے اگر تو شرک کرے تو تیرا عمل ضرور برباد ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔(2888)

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝٦٦

بلکہ اللہ کی ہی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٦٧

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے اور زمین سب قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(2889)

چیز جس کے ساتھ وہ آسمانوں اور زمین کا احاطہ کرتا ہے اور اس کے معنی خَزَائِنُ یعنی خزانے اور مَفَاتِيْحُ یا کنجیاں بھی کیے گئے ہیں۔ اور ان سب سے اشارہ ایک ہی معنی کی طرف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ان چیزوں کی حفاظت کرنا ہے۔ (غ) اور بعض کے نزدیک ﴿مَقَالِيْدُ﴾ جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں اور بعض نے اسے تَقْلِيْدٌ بمعنی اِلْزَامٌ (یعنی دوسری چیز کے ساتھ لگا دینا) سے مَقْلِيْدٌ یا مَقْلَادٌ کی جمع کہا ہے۔ (ر)

2888- یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ بذریعہ وحی لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہے کہ شرک سے حبط عمل ہو جاتا ہے یعنی جس عمل میں جس قدر حصہ شرک کا ہوگا وہ انسان کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ خطاب پہلے حصہ آیت میں خاص ہو اور دوسرے میں عام یا دونوں حصوں میں عام ہو۔

2889- ﴿قَبْضَتُہٗ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 2096] محض حاصل کرنے کو بھی قبض کہا جاتا ہے۔ اور راغب نے یہاں معنی کیے ہیں [فِيْ حَوْزِہٖ] یعنی اسی کی ملک ہوگی، دوسرے کسی کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اور بعض نے قبض کو ملک اور تصرف سے مجاز قرار دیا ہے اور یَمِیْنٌ کو قدرت تامہ سے۔ (ر) اور مَطْوِیٌّ کے لیے [دیکھو نمبر: 2192] عظمت الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾	اور صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں بیہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ پھر وہ دوسری بار پھونکا جائے گا۔ تب وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہوں گے۔(2890)
وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾	اور زمین اپنے رب کے نور کے ساتھ چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور نبی اور شہید بلائے جائیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔(2891)
وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع 7/7/4	اور ہر نفس کو جو اس نے کیا ہے پورا دیا جائے گا اور وہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

2890- یہاں دو **نفخوں کا ذکر** ہے۔ پہلا نفخہ وہ ہے جس سے صفحہ زمین لپیٹ لیا جائے گا۔ دوسرا نفخہ وہ ہے جس سے حساب کتاب کے لیے سب انسانوں کو اٹھا کر کھڑا کیا جائے گا۔

2891- **مخفی نتائج کا ظہور:** ﴿الْاَرْضِ﴾ سے مراد زمین محشر ہے۔ (ر) ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ [إبراهيم: 14:48] ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔'' اور اس زمین کا تباہ ہو جانا اوپر سے ظاہر ہے۔ اور نور رب سے اس کے چمک اٹھنے میں ایک یہ اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نتائج جو آنکھوں سے مخفی تھے ظہور پذیر ہو جائیں گے۔ اور ﴿الْكِتٰبِ﴾ سے مراد یہاں حساب ہے جیسا کہ سدی سے مروی ہے۔ اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔ اور نبیوں اور شہیدوں کا بلایا جانا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ سابق ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ وہ اپنی امتوں پر گواہ ہیں۔ اور ﴿شُهَدَآءِ﴾ سے مراد یہاں امت محمدیہ کو بھی لیا گیا ہے اور یہ بہت موزوں ہے۔ اس لیے کہ نبی بھی ﴿شُهَدَآءِ﴾ میں داخل ہیں۔ مگر اس امت کا ذکر کرتے ہوئے خصوصیت سے فرمایا: ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرة: 2:143] ''تا کہ تم لوگوں کے پیشرو بنو۔'' اور دوسری امتوں کے صلحا بھی اس میں داخل ہیں۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف گروہ گروہ بنا کر لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے چوکیدار ان سے کہیں گے کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ کہیں گے ہاں۔ لیکن کافروں پر عذاب کا وعدہ ثابت ہوا۔ (2892)

قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی میں رہو۔ سو متکبروں کا ٹھکانا کیا برا ہے۔

2892- ﴿سِيْقَ﴾ سَوْقٌ کے معنی ہانکنا یا لے جانا ہیں۔ ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾﴾ [القیامۃ: 75:30] ''تیرے رب کی طرف اس دن چلا جانا ہے۔'' ایسا ہی ہے جیسا ﴿اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾﴾ [النجم: 53:42] ''انجام تیرے رب کی طرف ہی ہے۔'' اور سُوْقٌ بازار کو کہتے ہیں جہاں مال تجارت لے جایا جاتا ہے جمع اَسْوَاقٌ ہے ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [الفرقان: 25:7] ''یہ کیسا رسول ہے (جو) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔'' (غ) اور حدیث میں ہے: [يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ] (صحيح البخاري، باب: تَغْيِيرِ الزَّمَانِ حَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، حديث: 7117، صحيح مسلم، باب: لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَتَمَنَّى أَنْ يَكُونَ مَكَانَ الْمَيِّتِ مِنَ الْبَلاَءِ، حديث: 7492) جو کنایہ ہے اس بات سے کہ وہ اس کے مطیع اور اس پر متفق ہوں گے۔ (ل)

﴿زُمَرًا﴾ زُمَرًا۔ زُمْرَةٌ کی جمع ہے۔ قلیل جماعت کو کہتے ہیں۔ (غ)

﴿خَزَنَتُهَا﴾ خَزَنَةٌ۔ خَازِنٌ کی جمع ہے اور خَازِنٌ حفاظت کرنے والا ہے۔ کسی بھید کی حفاظت ہو یا کسی اور چیز کی۔

جماعت جماعت کر کے لے جانے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ مراتب کے لوگ علیحدہ علیحدہ گروہ ہوں گے۔ جیسا کہ اہل جنت کی صفت میں حدیث میں ہے کہ پہلا گروہ جو میری امت میں سے جنت میں جائے گا بدر کی صورت پر ہوگا۔ یعنی کاملین کا گروہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے گروہوں کا ذکر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اتمام حجت کے بعد ہے۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور جنہوں نے اپنے رب کا تقویٰ کیا وہ بہشت کی طرف گروہ گروہ کر کے چلائے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اور اس کے چوکیدار انہیں کہیں گے تم پر سلام ہو، تم پاک ہو۔ سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ ہم میں سچا کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔ سو عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے۔ (2893)

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع 8/5/5

اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے اِرد گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہوں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

2893- زمین کا وارث بنانے میں صاف اشارہ فتوحات ملکی کی طرف ہے اور اس طرف کہ جس زمین پر کفار اس وقت متصرف تھے وہ مومنوں کو دی جائے گی۔

سورۃ المومن

نام:

اس سورت کا نام اَلْمُؤْمِنِ ہے اوراس میں 9 رکوع اور 85 آیتیں ہیں۔سورت کا نام اس ﴿ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ﴾ کے ذکر سے لیا گیا ہے جوفرعون کے سامنے حمایت حق کے لیے کھڑا ہوگیا۔اوراس سورت کا اصل مضمون بھی یہی ہے کہ رسول تو رسول مومنوں کو بھی جب وہ حمایت حق میں کھڑے ہوجائیں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں نصرت دیتا ہے۔اور مخالفت حق کتنی بھی زبردست ہو یہ اللہ کا قانون مستمرہ ہے کہ اس کا انجام ناکامی ہوتی ہے۔

خلاصہ مضمون:

① پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا ذکر کرکے بتایا کہ مومنین کی حفاظت کی جاتی ہے۔

② اور دوسرے رکوع میں اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ مومنین کی حفاظت بھی بوجہ ان کے عمال کے ہے اور اعمال کے نتائج کو ظاہر ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

③,④,⑤ تیسرے، چوتھے اور پانچویں رکوع میں فرعون کے ذکر میں مخالفین حق کو تنبیہ کی ہے۔فرعون دنیوی طاقت کا نمائندہ ہے اور وہ اپنا پورا زور مخالفت میں صرف کرتا ہے مگر حق کو نابود نہیں کرسکتا، بلکہ آخرکار خود نابود ہوجاتا ہے۔اسی اثنا میں یہ بھی بتایا کہ اسی کی قوم میں سے اس کا ناصح بھی پیدا ہوا مگر دنیوی طاقت کے نشہ میں اس نے کسی چیز کی پروانہ کی۔

⑥ چھٹے رکوع میں کھلے الفاظ میں یہ وعدہ دیا کہ رسول اور مومن جو کوئی بھی حق کو لے کر نکلے اس کے ساتھ نصرت الٰہی کا وعدہ اس دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

⑦ اور ساتویں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر کرکے

⑧ آٹھویں میں نشان کے آنے کو یقینی بتایا۔

⑨ اور نویں میں یہ بیان کرکے کہ بدی کی سزا کا قانون ہمیشہ سے دنیا میں کام کرتا آیا ہے، سورت کو ختم کیا۔

تعلق وزمانۂ نزول:

اس سورت سے لے کر چھیالیسویں سورت تک یعنی سات سورتوں کا یہ ایک مجموعہ ہے جو حٰمٓ سے شروع ہوتا ہے اور اس لیے یہ آل حم کہلاتی ہیں۔ان ساتوں سورتوں کا مضمون باہم ملتا جلتا ہے اور جس طرح پچھلے مجموعہ سور کا مضمون حق کی کامیابی ہے، اس مجموعہ کا مضمون بھی یہی ہے۔ہاں یہاں زیادہ زور اعدا کی ناکامی پر دیا ہے۔ان انبیاء کی تاریخ کا بہت کم ذکر ہے اور جیسا کہ

اٰیَاتُھَا 85 (40) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ (60) رُکُوْعَاتُھَا 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾	(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا ہے۔(2894)
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ ﴿۲﴾	یہ کتاب اللہ غالب علم والے کی طرف سے اتری ہے۔
غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ	گناہ بخشنے والے اور توبہ قبول کرنے والے سخت سزا دینے والے بڑے فضل والے (کی طرف سے)۔اس کے سوائے

حٰمٓ میں اشارہ ہے۔ان سب سورتوں میں یہ بتایا ہے کہ دشمن باوجود اپنی طاقت و دولت اور دنیوی سامانوں کے غالب نہیں آسکتے اور اہل حق کی نصرت یقینی ہے۔زمانہ نزول ان کا دو باتوں سے مکی زمانہ کا درمیانی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ایک جیسا کہ [نمبر: 2923] میں دکھایا گیا ہے اس سے کہ ان سورتوں کے نزول سے پہلے انبیاء کے تذکرے نازل ہو چکے ہیں اور یہ تذکرے سورۃ بنی اسرائیل و کہف و مریم وطٰہٰ میں موجود ہیں۔اور دوسرا اس بات سے کہ ان سورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت اپنے پورے زور پر تھی۔

2894- ﴿حٰمٓ ۚ﴾ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں [قُضِیَ مَا هُوَ كَائِنٌ] یعنی جو کچھ ہونے والا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر میں تین قول آئے ہیں۔ایک یہ کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے، دوسرا یہ کہ یہ قسم ہے، تیسرا یہ کہ یہ الرحمٰن کے حروف ہیں۔اور حدیث میں آتا ہے: [اِنْ بُيِّتُّمْ فَقُوْلُوْا حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ] (معرفة الصحابة لأبي نعيم، جلد22، صفحہ145، حديث: 6671)۔ابن اثیر کہتے ہیں اس کے معنی ہیں [اَللّٰهُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ] اور مراد اس سے خبر ہے نہ دعا۔ کیونکہ اگر دعا ہوتی تو [لَا يُنْصَرُوْنَ] نہ ہوتا بلکہ [لَا يَنْصُرُوْا] ہوتا، گویا مطلب ہے [وَاللّٰهِ لَا يُنْصَرُوْنَ] اور یوں بھی معنی کیے گئے ہیں کہ وہ سورتیں جو حم سے شروع ہوتی ہیں ان کی بڑی شان ہے۔پس تنبیہ کی ہے کہ ان کی شرف منزلت کی وجہ سے ان کا ذکر ایسا ہے کہ اللہ سے نصرت کا نزول طلب کرنے کے وقت اسے ظاہر کیا جائے اور [لَا يُنْصَرُوْنَ] نیا جملہ ہے یعنی [قُوْلُوْا حٰمٓ] کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی مدد نہیں ہوگی۔اور یہ سات سورتیں جن کی ابتدا میں ﴿حٰمٓ ۚ﴾ آتا ہے آل حٰمٓ یا [ذَوَاتِ حٰمٓ] کہلاتی ہیں۔اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ [آل حٰمٓ] قرآن کا دیباچہ ہیں۔(ل)

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ | کوئی معبود نہیں۔اسی کی طرف انجام کار جانا ہے۔(2895)

مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ | اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی جو کافر ہیں۔سو ان کا شہروں میں تصرف تجھے دھوکا نہ دے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ | ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور ان کے بعد (اور) گروہوں نے اور ہر قوم نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں اور جھوٹ کو لے کر جھگڑتے رہیں تاکہ اس کے ساتھ سچائی کو زائل کر دیں۔تو میں نے انہیں پکڑا، سو میری سزا کیسی تھی۔

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ ۘ | اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر جو کافر ہیں پوری ہوئی کہ وہ دوزخی ہیں۔

وقف لازم

وُقِفَ النَّبِيّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ | وہ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو کوئی اس کے اِرد گرد ہیں(2896) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور

2895- یہاں چار صفات بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین فضل و رحم کی صفات ہیں اور صرف ایک میں سزا کا ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے **اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحم کو کس قدر غالب کیا ہے**۔پھر ان تین صفات رحم میں سے دو گناہوں کی معافی سے تعلق رکھتی ہیں۔اور ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ﴾ کے ساتھ ﴿قَابِلِ التَّوْبِ﴾ لا کر صاف بتایا ہے کہ پہلے سے مراد بغیر توبہ کے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور دوسرے سے مراد توبہ پر بخشنے والا اور ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ کو ﴿قَابِلِ التَّوْبِ﴾ کے بعد اس لیے لایا گیا ہے کہ جو بدی پر اصرار کرتا ہے اس کے لیے اس کی سزا بھی سخت ہے۔

2896- **حاملین عرش سے مراد:** ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اسے یا اس کے عرش کو کوئی اور اٹھائے ہوئے ہو۔وہ قیوم ہے اور ساری مخلوقات اس سے قائم ہیں، وہ کسی سے قائم نہیں۔اور حمل عرش کا وہ مفہوم نہیں ہوسکتا جو کسی چیز کے اٹھانے کا مفہوم ہوتا ہے۔نہ فرشتوں کا اٹھانا اس طرح پر جیسے انسان اپنے کندھوں پر ایک بوجھ اٹھا لیتا

وَ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَىۡءٍ رَّحۡمَةً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِيۡلَكَ وَ قِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ ﴿۷﴾

اس پر ایمان لاتے ہیں۔اور ان کے لیے جو ایمان لائے حفاظت مانگتے ہیں۔ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے سو انہیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے رستے پر چلتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔(2897)

رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِىۡ وَعَدْتَّهُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّيّٰتِهِمۡ ‌ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۙ‏ ﴿۸﴾

اے ہمارے رب! اور انہیں ہمیشگی کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں۔تو غالب حکمت والا ہے۔

ہے۔[دیکھو نمبر: 1095] جہاں دکھایا گیا ہے کہ جس طرح کرسی علم کے لیے ہے عرش قدرت کے لیے ہے اور اس کے حامل وہ ملائکہ ہیں جو قدرت کا نفاذ کرتے ہیں۔اور قرآن کریم میں آتا ہے کہ قیامت کے دن یہ آٹھ ہوں گے۔﴿وَ يَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾﴾ [الحاقة: 17:69] ''اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' اور آثار میں ہے کہ اس وقت یہ چار ہیں اور قیامت کے دن آٹھ ہوں گے۔[عَنْ وَهْبٍ قَالَ: حَمْلَةُ الْعَرْشِ أَرْبَعَةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيِّدُوْا بِأَرْبَعَةٍ آخَرِيْنَ] (ر) اور ظاہر ہے کہ تمام عالم کا ظہور اور اس کا قیام صفات الٰہی سے ہے اور انہی صفات کے حامل ملائکہ ہیں۔اب اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفات جن کی قدرت نفاذ پاتی ہے چار ہیں۔یعنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت۔پس وہ چار حامل انہی چار صفات کے ظہور میں لانے والے ہیں اور قیامت کے دن ان کے آٹھ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔اس لیے کہ قیامت میں ایک اور تجلی انہی چار صفات کی ظاہر ہوگی۔اور ﴿مَنۡ حَوۡلَهٗ﴾ سے مراد دیگر صفات الٰہی کے مظہر ملائکہ ہیں اور ان سب کا استغفار مومنوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت چاہتے ہیں اور درحقیقت یہ خود صفات الٰہی کا تقاضا ہے کہ مومنوں کی حفاظت ہو اور اس میں بھی توجہ اللہ تعالیٰ کے رحم بے پایاں کی طرف دلائی ہے۔

2897- رحمت اور علم کو جمع کر کے بتایا کہ جس طرح ہر چیز پر علم حاوی ہے ہر چیز کا احاطہ رحمت نے بھی کیا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس وسیع رحم کی طرف سوائے قرآن کے اور کسی کتاب نے توجہ نہیں دلائی۔

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۹ ع 1 9 6

اور انہیں برائیوں سے بچا اور جسے تو آج برائیوں سے بچالے تو تُو نے اس پر رحم کیا اور یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔(2898)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۱۰

جو کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا کہ اللہ کی بیزاری تمہاری اپنی جانوں کی بیزاری سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔(2899)

قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۱۱

کہیں گے ہائے ہمارے رب تو نے ہم پر دو موتیں وارد کیں اور دو دفعہ ہمیں زندہ کیا، سو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ تو کیا نکلنے کے لیے کوئی رستہ ہے؟(2900)

2898- برائیوں سے بچانے کے لیے دعا غفر کے بعد ہے۔ پس یہاں غفر سے مراد ان گناہوں کی بخشش ہے جو توبہ سے یا ایمان لانے سے پیشتر وہ کر چکے ہیں اور برائیوں سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے آئندہ بدیاں سرزد نہ ہوں۔ مفسرین نے سیئات سے مراد عقوبات لی ہیں، مگر عقوبات سے بچانا خود غفر کا نتیجہ ہے۔

2899- یعنی اب جو بدی کے نتائج ظاہر ہونے پر تم کو اپنی جانوں سے بیزاری ہے، اس سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری تھی۔ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف یعنی نیک باتوں کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔

2900- دوسری جگہ فرمایا: ﴿كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ [البقرة: 28:2] ”تم مردہ تھے، پھر اس نے تمہیں زندگی دی پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔“ پس پہلی موت وہ نیستی کی حالت ہے جس سے انسان کو پیدا کیا گیا اور دوسری موت وہ ہے جو اس دنیوی زندگی کے بعد آتی ہے اور دوسری جگہ اسی دوسری موت کو موت اولیٰ کہا ہے۔ ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى﴾ [الدخان: 35:44] ”کچھ نہیں، مگر ہماری پہلی موت ہی ہے۔“ اس لیے کہ اس سے پہلی یا دنیوی زندگی کا انقطاع ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **دو موتوں کے وارد کرنے سے مراد** ایک موت جہالت و کفر ہو اور ایک موت جس سے انقطاع حیات ہوتا ہے اور **دو زندگیوں سے مراد** ایک حیات دنیوی اور دوسری حیات اخروی ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

یہ اس لیے کہ جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ پس حکم اللہ کے لیے ہے (جو) بلند (اور) بڑا (ہے)۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

وہی ہے جو تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے اور فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو اللہ کو اسی کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے پکارو، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

درجوں کا بلند کرنے والا صاحب عرش ہے وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔(2901)

2901- ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ﴾ سے مراد لوگوں کے درجات بلند کرنے والا ہی ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ [الزخرف: 32:43] ''اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے۔'' یا ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ [الأنعام: 83:6 ، يوسف: 76:12] ''ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبہ میں بلند کرتے ہیں۔''

﴿يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے اور اسے اس نام سے اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ وہ پہلوں اور پچھلوں کے اکٹھا ہو جانے یعنی ایک دوسرے کو ملنے اور اہل سماء اور اہل ارض کی ملاقات کا اور ہر شخص کی اپنے عمل سے ملاقات کا دن ہے۔ اور [لِقَاءَ اللّٰه] اور مُلَاقَاةُاللّٰهِ سے مراد بھی قیامت ہے۔ (غ)

آنحضرت ﷺ کے بعد مجدد دین کا مامور کیا جانا:

روح سے مراد یہاں وحی ہے جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے۔ (ر) اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ یہ روح سب بندوں پر نہیں خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے اور القائے روح کی غرض یہاں امر الٰہی کی تبلیغ بیان فرمائی ہے یعنی تاکہ ایسا انسان لوگوں کو ڈرائے کہ

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾	جس دن وہ نکل کھڑے ہوں گے، ان کی کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں۔ آج بادشاہت کس کے لیے ہے؟ اللہ اکیلے سب پر غالب کے لیے۔ (2902)
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾	آج ہر جان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا۔ آج کوئی ظلم نہیں، اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔
وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ	اور انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرا، جب دل غم سے

آخر انہیں اپنے اعمال کے نتائج دیکھنے پڑیں گے اور اس آیت کے نیچے روح المعانی میں **حدیث مجدد** کا ذکر کیا ہے [فَإِنَّ الْإِلْقَاءَ لَمْ يَزَلْ مِنْ لَّدُنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى انْتِهَاءِ زَمَانَ نَبِيِّنَا ﷺ وَهُوَ فِيْ حُكْمُ الْمُتَّصِلُ إِلَى قِيَامُ السَّاعَةِ بِإِقَامَةِ مَنْ يَّقُوْمُ بِالدَّعْوَةِ عَلَى مَا رُوِيَ أَبُو دَاوُدُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا اَىْ بِاَحْيَاءِ مَا انْدَرَسَ مِنَ الْعَمَلِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ] (ر) یعنی یہ القائے وحی آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ تک رہا اور وہ قیامت تک کے لیے حکم اتصال رکھتا ہے۔ اس شخص کے کھڑا ہونے سے جو دعوت اسلام کے کام کو لے کر کھڑا ہو جیسا کہ ابوداؤد نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایک ایسے شخص کو اٹھاتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے۔ یعنی عمل بالکتاب والسنۃ سے جو کچھ مٹتا رہا ہے اسے زندہ کرتا رہے اور حدیث مجدد گو صرف ابوداؤد نے بیان کی ہے۔ لیکن حفاظ کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اور امت کے تعامل نے اس کی صداقت پر مہر لگا دی ہے کیونکہ بڑے بڑے راستبازوں کے مجددیت کے دعوے موجود ہیں اور ان بزرگوں کو جھوٹا وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے قرآن وحدیث کی پروانہ ہو۔

2902- ﴿بٰرِزُوْنَ﴾ [دیکھو نمبر: 320] مطلب یہ ہے کہ ان کی چھپی ہوئی حالت ظاہر ہو جائے گی یعنی نتائج اعمال جو مخفی تھے وہ ظاہر ہو جائیں گے اور ﴿لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ﴾ میں بتایا کہ اللہ پر وہ نتائج اس وقت بھی مخفی نہ تھے۔ یہ ظاہر ہونا صرف انسان کے اپنے لیے ہے اور ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ گویا ان لوگوں کا جواب ہے جو یہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے فوق ہونے کا اقرار نہ کرتے تھے یعنی اس دن وہ بھی تسلیم کرلیں گے۔ یوں تو ہمیشہ ہی بادشاہت اللہ کی ہے۔

لَدَی الۡحَنَاجِرِ کٰظِمِیۡنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ حَمِیۡمٍ وَّ لَا شَفِیۡعٍ یُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾

بھرے ہوئے گلوں تک آ رہے ہوں گے۔ ظالموں کا کوئی دلی دوست نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے جس کی بات مانی جائے۔(2903)

یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے جو سینے چھپاتے ہیں۔

وَ اللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿٪۲۰﴾ ع 2 11 7

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور وہ جنہیں یہ اس کے سوائے پکارتے ہیں کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے۔ اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡا ہُمۡ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَ مَا کَانَ لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں۔ پس دیکھئے ان کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت میں اور زمین میں نشانات (بنانے) میں ان سے بڑھ کر تھے۔ سو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا اور کوئی انہیں اللہ (کی سزا) سے بچانے والا نہ تھا۔(2903ا)

2903- ﴿الۡاٰزِفَۃِ﴾ اٰزِفٌ کے معنی ہیں قریب آ گیا اور ﴿الۡاٰزِفَۃِ﴾ قریب آنے والی چیز ہے۔ اور مراد اس سے قیامت ہے ﴿اَزِفَتِ الۡاٰزِفَۃُ ﴿ۚ۵۷﴾﴾ [النجم: 57:53] ''آنے والی گھڑی آ پہنچی۔'' (غ) اور ابو مسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد موت کا دن اور اجل کا آنا ہے۔ (ر) ﴿الۡقُلُوۡبُ لَدَی الۡحَنَاجِرِ﴾ پر [دیکھو نمبر: 2634]۔

2903ا- ﴿وَّاقٍ﴾ وَقٰی یَقِیۡ سے اسم فاعل ہے یعنی بچانے والا ﴿مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾﴾ [الرعد: 37:13] ''تو تیرے لیے اللہ کے مقابلہ پر کوئی حمایتی نہ ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔'' اور قِ اور قوا اس سے امر ہیں۔ ﴿وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرۃ: 201:2] ''اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' ﴿قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا﴾ [التحریم: 6:66] ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔'' آثار یا نشانات سے مراد ایسی عمارات ہیں جو بطور نشان یا یادگار بنائی جائیں، جیسے مضبوط قلعے یا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ‌ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۲﴾

یہ اس لیے ہوا کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے، پر انہوں نے انکار کیا، سو اللہ نے انہیں پکڑا۔ وہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے۔

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍۙ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی سند کے ساتھ بھیجا۔

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوۡنَ فَقَالُوۡا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انہوں نے کہا جادوگر جھوٹا ہے۔(2904)

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوا اقۡتُلُوۡۤا اَبۡنَآءَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ وَ اسۡتَحۡيُوۡا نِسَآءَهُمۡ‌ؕ وَ مَا كَيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

سو جب وہ ہماری طرف سے حق لے کر ان کے پاس آیا انہوں نے کہا ان لوگوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑو، اور کافروں کی تدبیر رائیگاں ہی جاتی ہے۔

وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِىۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰى وَ لۡيَدۡعُ رَبَّهٗ‌ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّبَدِّلَ دِيۡنَكُمۡ اَوۡ اَنۡ يُّظۡهِرَ فِى الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴿۲۶﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔ اور چاہیے کہ وہ اپنے رب کو بلائے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے یا یہ کہ وہ زمین میں فساد ظاہر کرے۔

وَ قَالَ مُوۡسٰۤى اِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَ رَبِّكُمۡ

اور موسیٰ نے کہا میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ

محفوظ شہر۔

2904- مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے متکبروں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغام تھا۔ فرعون و ہامان کو اپنی بادشاہت اور طاقت پر بھروسہ تھا، قارون کو دولت پر فخر تھا۔ طاقت یا دولت کا نشہ جہاں ہو وہاں حق کی کون پروا کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔

مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝٢٧ ع 3/7/8

چاہتا ہوں۔ ہر اس متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝٢٨

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن مرد نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا کہا، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلے نشان لایا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو بعض وہ باتیں تمہیں پہنچ رہیں گی جن کا وہ وعدہ دیتا ہے۔ اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا جھوٹا ہے۔ (2905)

2905- **رجل مومن کا ذکر:** ظاہر یہی ہے کہ یہ مرد مومن فرعون کے لوگوں میں سے تھا۔ بعض نے بوجہ مومن پر وقف کے اسے اسرائیلی کہا ہے۔ ایمان چھپانے سے مراد فرعون سے اس بات کو مخفی رکھنا ہے۔ ﴿فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ﴾ سے مراد ہے کہ وہ بوجہ اپنے افترا کے خود ہلاک ہو جائے گا یا اس کا جھوٹ خود ظاہر ہو جائے گا اور سچا ہونے کی صورت میں بعض ان تکالیف کے پہنچنے سے جن کا وہ وعدہ کرتا ہے بعض نے مراد عذاب دنیا لیا ہے اور بعض نے مراد کل بھی لیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ ہو کہ بعض وقت عذاب رجوع سے ٹل بھی جاتا ہے۔ ﴿رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ﴾ کا قصہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی بہت سی دلائل فرعون کے سامنے آتی رہی ہیں اور صرف عصا کا سانپ بننا ہی بینات نہ تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر گئے تھے۔

موسیٰ اور فرعون کا قصہ فی الحقیقت حق اور اس کی مخالفت کا قصہ ہے۔ ایک طرف حق اپنی غایت درجہ کی بے کسی میں ہے کہ اس کی پیٹھ پر **کوئی طاقت نہیں، کوئی دولت نہیں۔** دوسری طرف طاقت ظاہری اور حکومت اور دولت ہے اور اس مقابلہ میں آخر کار حق کا غالب آنا اور طاقت کا مغلوب ہونا اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے کلام کی صداقت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی یہی مقابلہ تھا اور آج پھر دنیا میں یہی مقابلہ ہے۔ باطل اپنی تمام تر طاقت اور دولت اور حکومت کے ساتھ صف آرا ہے اور اس کے مقابلہ میں حق بے کسی اور بے سروسامانی کی حالت میں نظر آتا ہے۔ آج بھی وہی باتیں کہنے والے موجود ہیں جو فرعون نے کہی تھیں۔ اسلام کو ہم کیوں کچلنا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور صلح اور آشتی صرف عیسائیت سے پھیل سکتی ہے۔ اس مقابلہ میں خود مخالفت حق کرنے والی قوم میں بھی کچھ دل بول اٹھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَ مَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہی ہے۔ زمین میں تم غالب ہو، مگر اللہ کی سزا بچانے کے لیے کون ہماری مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آجائے۔ فرعون نے کہا میں تمہیں وہی دکھاتا ہوں جو میں صحیح سمجھتا ہوں۔ اور میں تمہیں بھلائی کی راہ پر ہی چلاتا ہوں۔ (2906)

وَ قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

اور جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم میں تم پر (اور) گروہوں کی طرح (مصیبت کا) دن آنے سے ڈرتا ہوں۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

قوم نوح کے حال کی طرح اور عاد اور ثمود کے اور ان کے جو ان کے بعد آئے اور اللہ بندوں کے لیے ظلم نہیں چاہتا۔

وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾

اور اے میری قوم! میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کا دن آنے سے ڈرتا ہوں۔ (2907)

ہیں زیادتی ہے۔ یہی ﴿رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ﴾ کے ذکر میں بتانا مقصود ہے اور اسی کی طرف یہ ﴿رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ﴾ توجہ دلاتا ہے کہ اگر وہ باطل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے ہیں تو باطل سرسبز نہیں ہوسکتا اور اگر حق ہے تو کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کرسکتی۔

2906- ﴿ظٰهِرِيْنَ﴾ یہاں ظَاهِرٌ بمعنی غالب ہے۔ [دیکھو نمبر: 1286]

﴿اُرِيْكُمْ﴾ اَرٰى۔ رَاٰى سے ہے اور رَاٰى دو مخالف باتوں میں سے ایک کا بوجہ غلبہ ظن صحیح مان لینا ہے۔ (غ) اس لیے یہاں ﴿اُرِيْكُمْ﴾ کے معنی [اَشِيْرُ عَلَيْكُمْ] کیے گئے ہیں یعنی تمہیں مشورہ دیتا ہوں یا تمہیں تعلیم دیتا ہوں بھی معنے ہوسکتے ہیں۔ [دیکھو نمبر: 940] ہر فاتح غالب قوم کے لیے اس میں سبق ہے۔ وہ اپنی طاقت کے نشہ میں بہت کچھ کرگزرتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ مگر خدا کی سزا جب آتی ہے تو انہیں کوئی بچا بھی نہیں سکتا۔

2907- ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ يَوْمَ التَّنَادِيْ سے زجاج کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دوزخ والے اہل جنت کو پکاریں گے کہ ہم پر پانی بہاؤ۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

جس دن تم پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگ جاؤ گے۔تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرائے تو کوئی اسے ہدایت دینے والا نہیں ہوسکتا۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ ﴿۳۴﴾

اور پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی دلیلیں لے کر آیا،مگر تم اس کے بارے میں جو وہ تمہارے پاس لایا شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگیا تو تم نے کہا اللہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔اسی طرح اللہ اسے گمراہی میں چھوڑتا ہے جو حد سے گزرنے والا شک کرنے والا ہے۔(2908)

اور تَنَادَوْا کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایک دوسرے کو پکارا اور یہ بھی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مجلس میں بیٹھے [تُجَالِسُوْا فِي النَّادِيْ]۔(ل) ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ﴾ [القلم: 21:68] ''ادھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔'' اور ایک دوسرے کو پکارنا مدد کے لیے ہوتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا مشورہ کے لیے۔ پس ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ سے مراد بھی وہی عذاب یا مصیبت کا دن ہے جب مدد کے لیے ایک دوسرے کو پکارنے کی ضرورت ہو اور آگے صاف آتا ہے ﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ﴾ پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا دن بھی وہی ہے۔

2908- **یوسفؑ پر اہل مصر ایمان نہیں لائے:** اشارہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کی طرف ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ کے متعلق شک میں ہی رہے۔ یہاں تک کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہوگئے تو وہ تکذیب میں پختہ ہوگئے۔ اور ﴿لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا﴾ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی رسالت کی بھی تکذیب ہے۔ اور دوسرے کسی رسول کی رسالت کی بھی یعنی رسول کوئی ہو ہی نہیں سکتا جسے اللہ تعالیٰ بھیجے۔ [وَأَرَادُوْا بِقَوْلِهِمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا تَكْذِيْبُ رِسَالَتَهُ وَرِسَالَةٌ غَيْرُهُ اَيْ لَا رَسُوْلَ فَيَبْعَثُ فَهُمْ بَعْدَ الشَّكِّ بَتَوْا بِهٰذَا التَّكْذِيْبِ] (ر) اور بعض اقوال میں ہے کہ یہ یوسف جنوں میں سے تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اہل مصر کی طرف مبعوث کیا تھا اور اس سے مراد صرف یہی ہوسکتی ہے کہ یہ کوئی غیر اسرائیلی تھا۔

فرعون اور مسئلہ ختم نبوت:

بعض لوگوں نے ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فرعون اس بات کا قائل تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔ یہ قرآن

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

جو اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو (یہ) اللہ کے نزدیک اور اس کے نزدیک جو ایمان لائے بڑی بیزاری (کی بات) ہے۔اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگاتا ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾

اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند محل بنا، تاکہ میں رستوں پر پہنچوں۔

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع 4/10/9

(یعنی) آسمانوں (پر پہنچنے) کے رستے پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔اور اسی طرح فرعون کو اس کا برا کام اچھا معلوم ہوا اور وہ رستے سے رک گیا۔اور فرعون کی تدبیر ہی ہلاک ہونے والی تھی۔(2909)

وَ قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

اور جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم! میری پیروی کرو تاکہ میں تمہیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں۔

کریم کے ساتھ ہنسی کرنا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ وہ فرعون جو اللہ تعالیٰ کا بھی قائل نہیں ﴿وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعرآء: 23:26] ''اور جہانوں کا رب کون ہے؟'' اور جو اپنی خدائی منواتا ہے، ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ [القصص: 38:28] ''میں تمہارے لیے اپنے سوائے کوئی معبود نہیں جانتا'' اسے توحید کا قائل اور وحی الٰہی کا منکر مگر ختم نبوت کا قائل قرار دینا بگڑے ہوئے دماغ کا کام ہے۔آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت کے انکار نے کہاں تک اس قوم کو پہنچا دیا ہے۔

2909- ایسا ہی بیان [القصص: 38:28] میں گزر چکا ہے۔ یہاں ﴿اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ﴾ کے لفظ بڑھائے ہیں اور مراد وہ ذرائع ہیں جن سے آسمان تک پہنچا جائے یا رستے مراد ہو سکتے ہیں۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی صرف (چند روزہ) سامان ہے اور آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

جو برائی کرتا ہے اسے اس کی مثل ہی بدلہ دیا جاتا ہے اور جو نیکی کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو، تو وہی بہشت میں داخل ہوں گے۔ اس میں بے حساب رزق دیئے جائیں گے۔

وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ؕ ﴿۴۱﴾ النصف

اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

سچ تو یہ ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کے لیے کوئی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور کہ ہمارا لوٹ کر جانا اللہ کی طرف ہے۔ اور کہ حد سے گزرنے والے ہی آگ کے رہنے والے ہیں۔(2910)

2910- ﴿لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ﴾ کیونکہ وہ نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ یعنی نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان دیتے ہیں۔ (ج) اور یا یہ مطلب ہے کہ سچے معبود کو تو چاہیے کہ وہ اپنے معزز بندوں یعنی نبیوں کو اپنی طرف بلائے اور انہیں اپنی عبادت کا حکم دے، پھر ان کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کو بلائے۔ مگر معبودانِ باطل ایسا نہیں کرتے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

سوتم یاد کرو گے جو میں تمہیں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔[2911]

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

سو اللہ نے اسے ان کی تدبیروں کے شر سے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو برے عذاب نے آلیا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

آگ ہے جس پر وہ صبح اور شام پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جس دن (آخری) گھڑی آجائے گی (کہا جائے گا) فرعون کے لوگوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔[2912]

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

اور جب آگ کے اندر جھگڑتے ہوں گے کمزور تکبر کرنے والوں سے کہیں گے ہم تمہارے تابع تھے۔ تو کیا تم ہم سے آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟

2911- ﴿اُفَوِّضُ﴾ [فَوَّضَ اِلَيْهِ الْاَمْرُ] کے معنی ہیں اس امر کو اس کی طرف پھیرا اور اسے اس میں حاکم بنایا۔ (ل) یعنی تم مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ خود نقصان اٹھاؤ گے اور وقت آئے گا کہ میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

2912- **عالم برزخ میں ثواب وعذاب:** اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں عذاب کا (اور اس لیے ثواب کا بھی) احساس کرایا جاتا ہے، گو اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہی ہوگا۔ اس لیے ساتھ ہی فرمایا کہ قیامت کے دن سخت تر عذاب میں داخل کیے جائیں گے اور صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک شخص مرجاتا ہے تو اس کی جگہ دوزخ میں ہو یا بہشت میں صبح اور شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے۔ (ر) اور شرحبیل اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ ان کی روحیں صبح اور شام سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں آگ پر لائی جاتی ہیں۔ (ج۔ر) اور یہ پرندے صورتیں ہیں جو ان کے اعمال کی صورتوں سے تیار ہوتی ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے ہم سب اس کے اندر ہیں۔اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

اور وہ جو آگ میں ہوں گے دوزخ کے نگہبانوں سے کہیں گے اپنے رب کو پکارو (کہ) وہ ایک دن ہم پر سے کچھ عذاب ہلکا کر دے۔

قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع 5 13 10

کہیں گے اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل کے ساتھ نہیں آئے تھے؟ کہیں گے ہاں۔کہیں گے پھر تم پکارو اور کافروں کی دعا بھی رائیگاں جائے گی۔(2913)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔(2914)

2913- **کفار کی دعا:** اس آیت کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ جب عذاب آجائے پھر کافروں کی دعا بیکار ہے۔روح المعانی میں ہے کہ آیت میں جس دعائے کفار کا ذکر ہے وہ قیامت کے دن کے متعلق ہے۔رہا یہ امر کہ کفار کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں، یہ علیحدہ بحث ہے۔مگر ظاہر ہے کہ ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ﴾ [النمل: 62:27] ''بھلا کون بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے۔'' کے الفاظ عام ہیں۔اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم میں صاف ذکر ہے کہ مشرک جب مصیبت میں ہوتے ہیں جیسے سمندر میں کشتی میں اور طوفان آتا ہے تو وہ خدا کو پکارتے ہیں۔تب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دیتا ہے اور وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔

2914- ﴿الْاَشْهَادُ﴾ شَاهِدٌ کی جمع ہے یعنی گواہ۔اور گواہوں میں فرشتے اور انبیاء اور مومن داخل ہیں۔

یہاں نہ صرف رسولوں کے لیے بلکہ مومنوں کے لیے بھی نصرت کا وعدہ ہے اور بالتصریح یہ وعدہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی نصرت دی جائے گی اور آخرت میں بھی۔آخرت کی نصرت کا سوال تو پردۂ غیب میں ہے، لیکن دنیا کی زندگی میں نصرت کے ملنے پر لوگوں نے اعتراض کیے ہیں۔مثلاً یہ کہ بعض رسول قتل کیے گئے یا مومن قتل ہوجاتے ہیں۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے دشمنوں سے بعد میں انتقام لے لیا جاتا ہے۔مگر اصل بات یہ ہے کہ نصرت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ جس حق کو رسول لائے

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

جس دن ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

(جو) ہدایت اور نصیحت عقل والوں کے لیے ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

سو صبر کر، کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور کے لیے حفاظت مانگ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کر۔(2915)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا

وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ ان کے سینوں میں کچھ نہیں مگر

ہیں یا جسے مومن پھیلانا چاہتے ہیں اس مقصد میں انہیں کامیابی ہو۔ سو گو اہل حق اپنا کام کر کے شہید ہو جائیں مگر حق مغلوب نہیں ہوتا اور ضرور ہے کہ آخر کار حق کا غلبہ ہو۔ یہ وہ نصرت ہے جو رسولوں اور مومنوں کو ملتی ہے۔ اور مومنوں سے مراد یہاں وہی مومن ہیں جو رسولوں کے جانشین ان کے کام میں ہوتے ہیں۔

2915- **آنحضرت ﷺ کے استغفار سے مراد:** اِسْتِغْفَار کے لیے [دیکھو نمبر: 258] اور ذَنْبٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 381] اور یہاں مراد ان قصوروں یا گناہوں سے حفاظت مانگنا ہے جو انسان سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ جو دوسروں کو گناہوں سے پاک کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم کی صراحت سے ثابت ہے خود گناہ کا ارتکاب نہ کر سکتے تھے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ [الجمعة: 2:62] ''وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔'' اور ایسے لفظ قرآن کریم میں کئی بار آتے ہیں دیکھو [البقرة: 129:2, 151، آل عمران: 164:3، التوبة: 103:9]۔ ایسا ہی متعدد مقامات قرآنی سے عصمت انبیاء ثابت ہے۔ اس لیے آپ کی صورت میں استغفار کے معنی سوائے گناہ سے طلب حفاظت کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔

كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٦﴾

بڑائی (کی خواہش) ہے جسے وہ پہنچنے والے نہیں، سو اللہ کی پناہ چاہ۔ وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (2916)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (2917)

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور نہ وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور بدی کرنے والے۔ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾

یقیناً (موعود) گھڑی آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ ع 6/10/11

اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

2916- یہاں استعاذہ سے مراد مخالفین کی شرارتوں سے خدا کی پناہ میں آنا ہے جیسا کہ پہلے ﴿يُجَادِلُوْنَ﴾ لا کر اور بعد میں ﴿السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ لا کر بتا دیا۔

2917- ظاہر مطلب یہ ہے کہ لوگ جو مخالفت حق کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں وہ خدا کے سامنے لاشئے ہیں، انسان کیا چیز ہے؟ اس نے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں جن کے سامنے انسان کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ ﴿اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ [يٰسٓ: 81:36] ''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان (انسانوں) کی مثل بنا سکے؟'' مگر ابو العالیہ سے یہاں مروی ہے کہ **الناس سے مراد دجال ہے** اور چونکہ پیچھے ﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ﴾ کا ذکر ہے اور دجال سب سے بڑا حق سے جدال کرنے والا ہے اس لیے یہ معنی موزوں ہیں۔ اور اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دجال ایک آدمی کا نام نہیں بلکہ ایک گروہ کا نام ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِیۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور دن کو روشن (بنایا)۔ اللہ تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وقف لازم

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۶۲﴾

یہ اللہ تمہارا رب ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ تو تم کس طرح الٹے پھر جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ یُؤۡفَكُ الَّذِیۡنَ كَانُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

اسی طرح وہ لوگ الٹے پھر جاتے ہیں جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ وَ رَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو ایک عمارت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں، تو خوب ہی تمہاری صورتیں بنائیں۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے، سو اللہ جہانوں کا رب بابرکت ہے۔

هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۵﴾

وہ زندہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ سو خالص اسی کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اسے پکارو۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ ۫ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۶﴾

کہہ، مجھے روکا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو۔ جب میرے پاس میرے رب کی طرف سے کھلی دلائل آ گئی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جہانوں کے رب کی فرمانبرداری کروں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے۔ پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے۔ پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو، پھر تم بوڑھے ہو جاتے ہو۔ اور تم میں سے کوئی وہ ہے جسے پہلے وفات دے دی جاتی ہے اور تم ایک مقرر میعاد کو پہنچتے ہو اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔(2918)

ع 7/8/12

هُوَ الَّذِیْ يُحْیٖ وَ يُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ ع

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پھر جب وہ ایک بات کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اسے صرف یہی کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔

معانقة 13

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾

کیا تو نے ان کی حالت پر غور نہیں کیا جو اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ وہ کس طرح الٹے پھر جاتے ہیں۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾

جو کتاب کو اور اسے جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، جھٹلاتے ہیں۔ سو وہ جان لیں گے۔(2919)

2918- ﴿لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ اور ﴿لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا﴾ میں لام عاقبت کا بھی ہوسکتا ہے اور بعض نے يُبْقِيْكُمْ محذوف مانا ہے یعنی تمہیں باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔

﴿شُيُوْخًا﴾ شُيُوْخٌ۔ شَيْخٌ کی جمع ہے جس شخص کی عمر زیادہ ہوگئی ہو اسے شَيْخٌ کہا جاتا ہے۔ ﴿وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا﴾ [هود: 72:11] ’’اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔‘‘ ﴿وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴾ [القصص: 23:28] ’’اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔‘‘ اور چونکہ بڑی عمر والے کے تجربے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے زیادہ علم والے کو بھی شَيْخٌ کہہ دیتے ہیں۔ (غ)

2919- ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد قرآن ہے اور ﴿بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ سب رسولوں کی وحی ہے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾

جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹ کر۔

فِي الْحَمِيْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

ابلتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے، پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔(2920)

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۷۳﴾

پھر انہیں کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جو تم شریک بناتے تھے؟

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے سوائے، کہیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے کسی چیز کو بھی نہ پکارتے تھے۔ اسی طرح اللہ کافروں کو ہلاک کرتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾

یہ اس لیے ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اتراتے تھے۔(2921)

2920- ﴿السَّلٰسِلُ﴾ سِلْسِلَةٌ کی جمع ہے ﴿فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ [الحاقة: 32:69] ''ایک ایسی زنجیر میں جکڑو جس کی ناپ ستر ہاتھ ہے۔'' اور یہ سَلّ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کا دوسری سے کھینچ کر نکالنا ہیں۔ سِلْسِلَةٌ میں گویا یہ فعل بار بار پایا جاتا ہے۔ (غ)

﴿يُسْجَرُوْنَ﴾ سَجْرٌ آگ کا بھڑکانا ہے اور ﴿فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ﴾ ایسا ہی ہے جیسا ﴿وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ﴾ [البقرة: 24:2] ''جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔'' اور دوسری جگہ آتا ہے ﴿وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ [الطور: 6:52] ''اور بھرا ہوا دریا۔'' ﴿اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ [التكوير: 6:81] تو مراد ہے کہ ان میں آگ لگا دی جائے گی۔ اور بعض کے نزدیک ان کے معنی ہیں کہ ان کا پانی خشک ہو جائے گا۔ (غ)

2921- ﴿تَفْرَحُوْنَ﴾ ﴿تَمْرَحُوْنَ﴾ مَرَحٌ شدت فرح کو کہتے ہیں [دیکھو نمبر: 1832] اور یہاں بعض نے یوں فرق کیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے مصائب کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور اپنے مال و دولت پر اتراتے تھے۔

اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٤٦

دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اسی میں رہو گے۔ سو متکبروں کا ٹھکانا کیا ہی برا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝٤٧

سو صبر کر کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سو اگر ہم تجھے بعض وہ باتیں دکھائیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دے دیں تو ہماری طرف ہی وہ لوٹائے جائیں گے۔(2922)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝٤٨ ع

ع 8 10 13

اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ ان میں سے وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے تجھ سے کر دیا اور ان میں سے وہ ہیں جن کا تجھ سے ذکر نہیں کیا۔ اور کسی رسول کے لیے (اختیار) نہ تھا کہ وہ اللہ کے اذن کے سوائے نشان لائے۔ سو جب اللہ کا حکم آ گیا حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا۔ اور ابطالِ حق کرنے والے گھاٹے میں رہے۔(2923)

2922- ﴿بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ سے مراد قتل ہونا اور گرفتاری ہے۔ (ر) وعدہ تو ان کے ساتھ عذاب دنیا اور عذاب آخرت دونوں کا تھا۔ اس لیے ﴿بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ فرمایا اور اس سے پہلے ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ کہہ کر بتا دیا کہ عذاب دنیا کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اور ﴿اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ اس لیے بھی فرمایا کہ آپ کے اعدا تو پیچھے بھی پیدا ہونے والے تھے۔

2923- یعنی رسولوں کا آنا تو عام ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝٢٤﴾ [فاطر: 35:24] ''اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا۔'' اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بھی عام ہے کہ سزا کا لانا رسول کے اختیار میں نہیں ہوتا لیکن وہ سزا آتی ضرور ہے اور آخر حق و باطل میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور حق غالب آ جاتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے۔

یہاں سے دو باتیں اور معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب کچھ رسولوں کا ذکر نبی ﷺ پر ہو چکا ہے اس لیے یہ سب سورتیں جو ﴿حٰمٓ﴾ سے شروع ہوتی ہیں مکی زمانہ کے درمیانی حصہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ دوسری بات جو یہاں سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سوائے ان انبیاء کے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور بھی نبی ہوئے ہیں۔ اور طبرانی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ان رسولوں میں سے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر نہیں کیا حبش کا ایک نبی تھا اور ایسے ہی لفظ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کہ حبش میں اللہ تعالیٰ نے ایک سیاہ رنگ کا نبی مبعوث کیا۔ (ر)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چار پائے بنائے تا کہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾

اور تمہارے لیے ان میں فائدے ہیں اور تا کہ ان پر (چڑھ کر) تم اس حاجت کو پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر تم اٹھائے جاتے ہو۔(2924)

وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾

اور وہ تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے سو تم کن کن اللہ کے نشانوں کا انکار کرو گے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، پھر دیکھتے کہ ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ تھے اور طاقت میں اور زمین میں نشانات کے لحاظ سے مضبوط تر تھے۔ سو ان کی کمائی ان کے کام نہ آئی۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب ایران کو فتح کیا تو ایرانیوں کو اہل کتاب میں داخل کر کے گویا زرتشت کا نبی ہونا تسلیم کر لیا۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہندوستان کو نبیوں سے خالی مانیں۔ اور رام چندر اور کرشن جی کی جو عزت اور محبت کروڑہا انسانوں کے دلوں میں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ بھی اپنے زمانہ میں اس ملک میں نبی ہی گزرے ہیں، یہ محض اجتہاد ہے۔

2924- ﴿مَنَافِعُ﴾ نفع وہ چیز ہے جس سے بھلائیوں کی طرف پہنچنے میں مدد حاصل کی جاتی ہے اور جس سے بھلائی کی طرف پہنچا جاتا ہے۔ پس وہ خیر ہے اور ضُرّ کی ضد ہے۔ ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾[الأعراف: 188:7] ''کہہ، میں اپنی جان کے لیے نفع کا مالک نہیں اور نہ نقصان کا۔'' ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ﴾[الممتحنة: 3:60] ''تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد تمہیں نفع نہ دیں گے۔'' (غ) اور مَنْفَعَةٌ وہ فائدہ ہے جو حاصل کیا جاتا ہے۔

﴿حَاجَةً﴾ کسی چیز کی ﴿حَاجَةً﴾ اس کی ضرورت ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہو۔ ﴿حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا﴾[الحشر: 9:59] ''حاجت نہیں پاتے جو انہیں دیا جاتا ہے۔''

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾

پھر جب ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل لے کر آئے وہ اسی پر نازاں رہے جو ان کے پاس کچھ علم تھا۔ اور ان کو اس (سزا) نے آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔ (2925)

فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَ کَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِهٖ مُشۡرِکِیۡنَ ﴿۸۴﴾

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا کہا ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور اس کا انکار کیا جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔

فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُهُمۡ اِیۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِکَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ع 9/7/14

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کا ایمان انہیں سود مند نہ ہوا۔ یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آئی ہے۔ اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے۔ (2926)

2925- **انبیاء کا علم اور دنیاداروں کا علم:** ایک وہ علم اخلاق وروحانیت اور آخرت کا علم ہے جو رسول لاتے ہیں۔ دوسرا وہ علم انسانی اور خشک فلسفہ اور منطق ہے جو انسان اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ لوگ اس دوسرے علم پر خوش ہوجاتے ہیں اور اول الذکر علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ یہی وہ علم ہے جس نے دنیا میں تبدیلی پیدا کی ہے اور انسانوں کو بدی کے پنجے سے چھڑا کر نیکی اور اخلاق کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقاموں پر پہنچایا ہے۔ مگر علم خشک انسان کو بدی سے نہیں روک سکتا۔ بلکہ اس سے بدی پر اور جرأت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس بات پر ہنسی کی جاتی ہے کہ ایک قوم جو زبردست قوت کی مالک ہے وہ بھی کبھی نیچا دیکھ سکتی ہے، لیکن آخر وہ سزا واقع ہو کر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون بدی کی سزا کے متعلق یہی ہے کہ جب تک وہ کچھ نیکیوں کے ساتھ ملی رہتی ہے اس وقت تک کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ نتائج اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ انسان کی آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکتی۔ لیکن جب ایک قوم کی کثرت بدکاریوں میں مبتلا ہوجاتی ہے تو وہ نتائج کھلے رنگ میں ظاہر ہوجاتے ہیں اور یہی قوم کی تباہی ہوتی ہے۔ بدی کے نتیجہ کے اسی قانون مستمرہ کا ذکر یہاں ہے اور یہ ذکر کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔

2926- مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک انسان کو رجوع فائدہ دیتا ہے۔ لیکن جب بدی اس انتہا کو پہنچ جائے جس پر سزا لازماً مترتب ہوجاتی ہے تو پھر رجوع یا ایمان بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لیے ﴿لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا﴾ کی شرط ہے یعنی جب ہماری سزا آ پہنچے تو پھر ایمان سے بھی نفع نہیں ہوتا۔

سورۃ حم السجدہ

نام:

اس سورت کا نام فُصِّلَتْ ہے اور حٰمٓ یا حٰمٓ السَّجْدَةِ بھی اسے کہا جاتا ہے اور اس میں 6 رکوع اور 54 آیتیں ہیں۔ اس کی ابتدا میں ہی آتا ہے ﴿ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ﴾ جہاں سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یعنی اس کی آیات کو بار بار واضح کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے آخری سے پہلے رکوع میں ہے کہ اگر اس کی آیات میں کچھ بھی ابہام رہتا تو کہتے ﴿ لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ﴾۔ اصل غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی انسان پر گرفت نہیں کرتا جب تک کہ اس کی بھلائی اور اس کی برائی کی راہیں کھول کھول کر اسے نہیں بتا دیتا۔

خلاصہ مضمون:

① پہلے رکوع میں دعوت حق پر کفار کے اعراض کا ذکر ہے۔

② دوسرے میں انذار کا۔

③ تیسرے میں بتایا ہے کہ وہ بدیاں جن سے بچنے کے لیے یہ پاک کتاب ہدایت فرماتی ہے خود انسان کے جوارح پر اپنا اثر چھوڑتی ہے جو بالآخر قیامت کے دن ایک کھلی شہادت کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔

④ چوتھے میں بتایا کہ قرآن کریم کے اثر سے بچنے کے لیے کفار نے کیا راہ اختیار کی ہے۔ اور مومنین کے تعلیم قرآن پر چلنے کا یہ نتیجہ بتایا ہے کہ ملائکۃ اللہ ان پر نازل ہوں گے۔

⑤ پانچویں میں بتایا کہ دعوت الی القرآن بہترین کام ہے اور قرآن کریم باطل کے اثرات سے محفوظ ہے۔

⑥ چھٹے میں نتائج اعمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کا غلبہ نہ صرف ملک عرب میں ہوگا بلکہ اطراف و اکناف عالم میں بھی اس کو غالب کیا جائے گا۔

تعلق:

پچھلی سورت میں مومنوں کی نصرت کا ذکر تھا اس میں بھی مخالفت حق کی ناکامی کو کھول کر بیان کیا اور آخر پر بتایا کہ اسلام کا غلبہ نہ صرف ملک عرب میں بلکہ اطراف و اکناف عالم میں بھی یقینی ہے۔

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ

اٰیَاتُھَا 54 — (41) — (61) — رُکُوْعَاتُھَا 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ ①

(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا (ہے)۔

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ ②

(کتاب کا) نازل کرنا اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کی طرف سے ہے۔

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ ③

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ قرآن عربی ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ④

خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ پر ان میں سے بہتوں نے منہ پھیر لیا، سو وہ نہیں سنتے۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَ فِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤ الثلثۃ

اور کہتے ہیں ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے۔ سو عمل کر ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔(2927)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ

کہہ، میں صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں میری طرف

2927- یہ ان کے **اعراض کا نقشہ** ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ [ھود: 91:11] ''اے شعیب ہمیں بہت سی وہ باتیں سمجھ نہیں آتیں جو تو کہتا ہے۔'' یہی نہیں بلکہ ہم کو وہ بات سنائی بھی نہیں دیتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔ یہ سب ان کے اعراض کی تصویر ہے کہ کس حد تک وہ دعوت حق کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾

وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اسی کی طرف سیدھی راہ پر لگے رہو اور اس کی حفاظت مانگو اور مشرکوں کے لیے افسوس ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ﴿۸﴾

ع 1 8 15

جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔(2928)

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾

کہہ، کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو وقتوں میں پیدا کیا اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو۔ وہ جہانوں کا رب ہے۔

2928- ﴿مَمْنُوْنٍ﴾ مَنّ کے لیے [دیکھو نمبر: 337] اور ﴿غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ کے معنی [غَيْرُ مَعْدُوْدٍ] لکھے ہیں۔ یعنی جو گنا نہیں جا سکتا جیسے ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾۔ اور بعض نے اس کے معنی [غَيْرَ مَقْطُوْعٍ وَلَا مَنْقُوْصٍ] لکھے ہیں یعنی نہ قطع ہونے والا نہ کم کیا گیا اور اسی سے مَنُوْنٌ موت کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عدد کو گھٹاتی ہے اور مدد کو قطع کرتی ہے۔ (غ)

عارضی نجات:

اسلام نے اعمال صالحہ کا اجر غیر منقطع فرمایا ہے برخلاف بعض مذاہب کے جو کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کا اجر محدود ہے۔ اہل تناسخ کا یہی خیال ہے جو نجات کو عارضی قرار دے کر پھر روحوں کو واپس لاتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص لازم کرتا ہے، کیونکہ نیک انسان کے اعمال صالحہ کا منقطع ہو جانا اس کی موت کی وجہ سے ہے اور وہ اس کے اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے لاکھوں سال تک زندہ رکھتا تو وہ اسی طرح نیکیوں پر قائم رہتا بلکہ یوماً فیوماً ترقی کرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اسے اجر غیر محدود عطا فرماتا ہے اور یہی حق ہے۔ عارضی نجات کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سخت بخل منسوب کرتا ہے۔

وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰

اوراس میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اوراس میں برکت دی۔اوراس کی خوراکوں کااس میں اندازہ کیا،(یہ) چار دن میں (کیا)۔مانگنے والوں کے لیے سب کچھ ٹھیک کردیا گیا۔(2929)

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝۱۱

پھرآسمان کی طرف متوجہ ہوااوروہ دھواں تھا۔سواسے اور زمین کوکہا،آجاؤخوشی سے یاناخوشی سے۔انہوں نے کہاہم دونوں خوشی سے حاضرہیں۔(2930)

2929- **زمین کا تدریجی طور پر بننا اور چھ مراتب:** زمین اورآسمان اور ہر چیز چھ وقتوں میں یا چھ مراتب طے کرکے پیدا ہوئی۔ [دیکھو نمبر: 1094] مفسرین نے عموماً یہاں یہ غلطی کھائی ہے کہ ﴿اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ﴾ یا چار دن میں پہلے دودن کوشامل سمجھا ہے اور پھر[آیت نمبر: 12] کے دودن ملاکرکل چھ دن بنائے ہیں۔گویا چاردن میں زمین بنی اوردودن میں آسمان۔حالانکہ اگر ﴿اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ﴾ پہلے دودنوں کوشامل کرکے ہوتاتو[آیت نمبر: 12] میں ﴿يَوْمَيْنِ﴾ کی جگہ ﴿سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ ہوناچاہیے تھا۔اوراس تقسیم کی کہ چاردن میں زمین بنی اوردودن میں آسمان کوئی سندنہیں، بلکہ یہاں وہ بات بیان کی ہے جوآج سے تیرہ سوسال پیشترکسی کے وہم میں بھی نہ آئی تھی۔اول زمین کا دووقتوں میں بنانا ہے۔یعنی خوداس زمین پردوحالتیں آئیں۔جہاں تک آج ہماراعلم پہنچاہے وہ بھی یہی ہے کہ پہلے یہ محض ایک ناری ٹکڑاتھا، پھرآہستہ آہستہ ٹھنڈاہوکراس کے اوپر کی سطح بنی۔ان دوحالتوں کے بعد تیسری حالت جس کا بیان کیا پہاڑوں کا بننا ہے اور یہ بھی تازہ علمی تحقیقات کے عین مطابق ہے ہے۔یعنی جب اوپر کی سطح موٹی ہونی شروع ہوئی توپھرزلازل وغیرہ سے اصل سطح کے اوپر پہاڑ بنے اوریہ پہاڑ دریاؤں اور بارشوں کا موجب بنے۔اسی کی طرف ﴿بٰرَكَ فِيْهَا﴾ میں اشارہ معلوم ہوتاہے۔اور ﴿قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا﴾ میں نباتات،حیوانات اورخودانسان کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ قوت وہ ہے جس سے بدن انسان قائم رہتاہے اوریہ کل چارحالتیں بنتی ہیں۔اور ﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ میں یاتوسوال زمین وغیرہ کے پیدا کرنے کے متعلق ہے یعنی یہ جواب سب کے لیے برابر ہے۔اور یا سوال سے مرادرزق کا طلب کرناہے جس کی کسی کوحاجت ہو۔یعنی وہ اقوات جواللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھے ہیں انہیں کوئی طلب کرنے والا ہو،سب کوبرابرملتاہے۔ابن جریر نے دونوں معنی قبول کیے ہیں۔

2930- ﴿دُخَانٌ﴾ دھوئیں کوکہتے ہیں۔اور یہاں مراد ہے کہ وہ دخان کی مثل ہے یعنی اس میں کوئی پکڑ رکھنے کی طاقت نہیں (مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ٹھوس چیزنہیں)اورحدیث میں ہے:[وَهُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ] (سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، باب: ذِكْرِ الْفِتَنِ

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

سو انہیں سات آسمان دو دن میں بنایا اور ہر آسمان میں اس کا امر وحی کیا اور ہم نے ورلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور ہر طرح سے اس کی حفاظت کی۔ یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے۔(2931)

وَدَلَآئِلِهَا، حدیث: 4247) یعنی ایسی صلح جس کے نیچے فساد ہو۔(غ) اور یہ آخری زمانہ میں ایک جنگ عظیم کے متعلق پیشگوئی ہے کہ اس کے بعد ایسی صلح ہوگی جس کے نیچے فساد ہوگا اور اقوام کے دل باہم محبت کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ نقشہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچا ہوا موجود ہے۔

﴿طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ [دیکھو نمبر: 1609] ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر کے لیے اور ان کے اس سے رکنے کے محال ہونے کے لیے یہ ایک مثال ہے۔ اثبات طوع اور کرہ مراد نہیں۔ اور ان کا یہ کہنا کہ ﴿اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ میں بھی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان میں کامل طور پر موثر ہے۔(ر) مزید دیکھو نوٹ [دیکھو نمبر: 3027]

2931- **آسمان کی طرف وحی:** ﴿اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا﴾ یا تو جن کی طرف وحی کی گئی اس کا ذکر نہیں اور یا وحی خود آسمانوں کی طرف ہوئی۔ اور یہ اس کے نزدیک تسخیر ہے جو آسمان کو زندہ نہیں مانتا اور اس کے نزدیک نطق ہے جو اسے زندہ مانتا ہے۔ (غ) مگر اصل یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی وحی اس کی حالت کے مطابق ہے۔ جانداروں میں بھی شہد کی مکھی کی وحی نطق نہیں اور یہاں الفاظ عام ہیں۔ ہر ایک سماء کے متعلق جو کوئی امر تھا وہ اس میں وحی کیا یعنی اس امر کا اس میں نفاذ کیا۔

آسمانوں کے دو دن میں بننے سے مراد:

یہاں سات آسمانوں کے اسی طرح دو دن میں بنانے کا ذکر ہے جس طرح زمین کے دو دن میں بنانے کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سات آسمانوں سے مراد نظام شمسی کے سات بڑے سیارے ہیں جو اوپر نظر آنے کے لحاظ سے آسمان کہلاتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پہاڑ بنانے اور سامان خوراک وغیرہ زمین میں پیدا کرنے کا ذکر تھا یہاں وہ ذکر نہیں۔ بلکہ صرف اس قدر فرمایا کہ ہر آسمان میں اس کا امر وحی کیا۔ یعنی ہر ایک میں وہ کچھ پیدا کیا جس کے لیے اس میں استعداد تھی اور جس کا تقاضا حکمت الٰہی نے کیا اور یا ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ سے مراد باقی کل مخلوق ہے اور بتایا یہ ہے کہ زمین کی طرح ہی دو حالتوں میں سے گزر کر ہر ایک جرم سماوی بنا ہے۔ اور ﴿حِفْظًا﴾ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے [حَفِظْنٰهَا حِفْظًا]۔ اور یہ صریح شہادت ہے کہ آسمان شیاطین سے محفوظ ہیں اور کسی شیطان کا وہاں تک دخل نہیں۔ اور یہ جو مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے شیاطین کا دخل سارے آسمانوں پر تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں چوتھے آسمان تک رہ گیا اور آنحضرت ﷺ کے وقت میں وہ بھی رک گیا، تو یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کو بنایا تو اسے محفوظ بھی کیا۔ ہاں اگر اس کے یہ معنی کیے

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿13﴾

سو اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دے، میں تمہیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ (2932)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

جب رسول ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے

جائیں کہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی نے جس قدر شیاطین کا تصرف انسانوں سے دور کیا اور کسی نبی کو وہ میسر نہیں آیا، تو یہ صحیح ہے۔ یہاں زمین اور آسمان کے بنانے کی کسی ترتیب کا ذکر نہیں بلکہ صرف دونوں کے بنانے کا ذکر ہے۔ ترتیب کے متعلق دوسری جگہ صاف ہے: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿30﴾﴾ [النازعات: 30:79] ''اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔'' مفسرین نے ان الفاظ کی توجیہ یوں کرنی چاہی ہے کہ زمین کو پیدا تو پہلے کیا مگر دَحٰىهَا سے مراد اس میں پہاڑوں وغیرہ کا بنانا ہے۔ مگر پہاڑوں کا بنانا بھی آسمان کے بننے سے پہلے مذکور ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ الفاظ بطور اصل محکم کے ہیں اور یہی بات قطعی ہے کہ زمین بعد میں بنی۔

2932- **عتبہ کا پیغام اور آنحضرت ﷺ کا جواب:** ابن ہشام کی ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور وہ بہت ہو گئے تو ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے جو سرداران قوم میں سے تھا قریش سے کہا کہ تم کہو تو میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں اور کچھ باتیں ان کے پیش کروں کہ وہ اس کام سے رک جائیں۔ چنانچہ عتبہ جب آپ اکیلے خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے آپ کے پاس گیا اور کہا کہ اگر آپ کا ارادہ اس کام سے مال جمع کرنے کا ہو تو ہم اس قدر مال جمع کر کے آپ کو دے سکتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار ہوں اور اگر بزرگی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ کوئی امر بغیر آپ کے مشورے کے طے نہ کریں گے۔ اور اگر بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو ہم آپ کے علاج پر جتنا روپیہ ضرورت ہو صرف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب عتبہ بات کر چکا تو آپ نے یہی سورت ﴿حٰمٓ ﴿1﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿2﴾﴾ پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ آپ سجدہ پر پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا (اور ایک روایت میں ہے کہ اس آیت ﴿اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿13﴾﴾ تک پہنچے) تب عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس کا چہرہ متغیر ہوا ہوا تھا اور اس نے کہا کہ میں نے وہ بات سنی ہے جو نہ شعر ہے، نہ سحر، نہ کہانت ہے۔ پس اے معشر قریش تم ان کو اپنے کام سے نہ روکو اور مخالفت نہ کرو۔ اگر وہ عزت پائیں تو اس میں تمہاری عزت ہوگی۔ تب سب لوگ بولے اے ابا الولید! تم پر بھی آپ کا سحر چل گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے کتنے سخت دل لوگوں پر بھی قرآن اثر کیے بغیر نہ رہتا تھا۔ لیکن قومی تعصب غالب آجاتا اور پھر مخالفت شروع کر دیتے۔

وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۱۴

سے آئے کہ سوائے اللہ کے (کسی کی) عبادت نہ کرو۔
انہوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا، سو جو تم
کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس سے انکاری ہیں۔ (2933)

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۱۵

سو عاد نے تو زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ کون
طاقت میں ہم سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیا انہوں نے غور نہ کیا
کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا طاقت میں ان سے زیادہ
مضبوط ہے۔ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ
نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶

سو ہم نے ان پر منحوس دنوں میں تند ہوا چلائی، تا کہ انہیں
دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا
عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔ اور انہیں مدد نہیں
دی جائے گی۔ (2934)

2933- ﴿مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ آگے اور پیچھے سے مراد ہر طرف سے آنا ہے اور آنا یہاں بطور تمثیل وسعت دعوت پر ہے یعنی ہر طرح سے سمجھایا۔

2934- ﴿نَّحِسَاتٍ﴾ نَحِسَةٌ کی جمع ہے۔ (ر) اور نَحْسٌ ضد سَعْدٌ ہے ﴿فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝۱۹﴾ [القمر: 19:54] ''ایک سخت نحوست والے دن میں چلائی۔'' اور نُحَاسٌ اس شعلے کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو۔ ﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ﴾ [الرحمٰن: 35:55] ''تم دونوں پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا۔'' اور یہ تانبے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ نُحَاسٌ تانبے کو کہتے ہیں۔ (غ) اور فراء کا قول ہے کہ نُحَاسٌ یہاں دُخَانٌ یعنی دھواں ہے اور ازہری کہتے ہیں یہی سب مفسرین کا قول ہے۔ (ل) اور اصل نَحْسٌ یہ ہے کہ افق سرخ ہو کر شعلے کی طرح ہو جائے اس لیے شوم یا بدبختی کے لیے بطور مثال ہو گیا ہے۔ اور بعض نے ﴿اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ کے معنی سخت سردی والے دن کیے ہیں۔ (غ) اور منحوس دنوں سے مراد ان کی بدقسمتی کے دن ہیں۔ اور ایک ہی دن کو الگ الگ شخصوں کی طرف منسوب کر کے نَحْسٌ بھی کہا جاتا ہے اور سعد بھی۔ (ر)

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور رہے ثمود، تو ہم نے انہیں رستہ دکھایا۔ پر انہوں نے اندھا رہنے کو ہدایت پر ترجیح دی۔ سو ذلت کے عذاب کی ہولناک آواز نے انہیں آلیا اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔

ع 2 10 16 وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے انہیں بچا لیا جو ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تھے۔

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف چلائے جائیں گے، تو وہ جدا جدا جماعتوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

یہاں تک کہ جب اس پر آپہنچیں گے، ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم ان کے خلاف ان کے عملوں کی گواہی دیں گے۔ (2935)

وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور وہ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ کہیں گے اللہ نے ہمیں بولنے کی قوت دی، جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت دی۔ اور اس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

2935- ﴿جُلُوْدُهُمْ﴾ جُلُوْدٌ کے ظاہر معنی چمڑے ہی ہیں۔ مگر بعض نے یہاں مراد جوارح یعنی اعضا لیے ہیں اور بعض نے فروج سے کنایہ لیا ہے۔ (ر) مگر [دیکھو نمبر: 675] اس سے مراد بعض وقت بدن بھی لیا جاتا ہے اور یہاں یہی وسیع معنی ہیں۔ کان اور آنکھ کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی ﴿وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ﴾ [النحل: 78:16] ''اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔'' اور اگلی آیت میں ان کو لفظ جلود میں شامل کر لیا ہے اور وہاں ﴿اَنْطَقَ﴾ سے مراد دلالت ہے [دیکھو نمبر: 2457] یعنی ان اعضا کی حالت خود بتا دے گی کہ انسان نے کیا کچھ کیا تھا اور گو یہ شہادت کھلے طور پر قیامت میں ادا ہوگی۔ لیکن **بدی کا اثر انسان کے جوارح پر** یہاں بھی پڑتا ہے۔ ہاں وہ یہاں اکثر حالات میں عام نظروں سے مخفی رہتا ہے اور جب بدی حد سے زیادہ ترقی کر جاتی ہے تو وہ اثر یہاں بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَآ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تم پردہ داری اس خیال سے نہ کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے جسم تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ لیکن تم نے خیال کیا کہ اللہ (تعالیٰ) بہت سی باتیں جو تم کرتے ہو نہیں جانتا۔(2936)

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی تمہارے ظن (فاسد نے) جو تم نے اپنے رب کے متعلق کیا تمہیں ہلاک کیا۔ سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

سو اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی چاہیں تو انہیں معافی نہ دی جائے گی۔

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ
ع 3 7 17 كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر رکھے ہیں، سو وہ انہیں جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہیں اچھا کر کے دکھاتے ہیں۔ اور (خدا کی) بات ان پر صادق آئی ان قوموں میں (داخل ہوتے ہوئے) جو جنوں اور انسانوں سے ان سے پہلے گزر چکیں۔ وہ نقصان اٹھانے والے ہوئے۔(2937)

2936- ﴿تَسْتَتِرُوْنَ﴾ سِتْرٌ ڈھانکنا اور اِسْتِتَارٌ کے معنی ہیں چھپنا اور مَسْتُوْرٌ چھپایا گیا۔ ﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ [بني إسرائيل: 17:45] ''چھپا ہوا پردہ۔'' (غ) اور جس چیز سے چھپتے تھے وہ ان کے جوارح ہیں۔ یعنی اپنے جوارح سے تم اس لیے نہ چھپتے تھے کہ اس وقت تمہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہی چیزیں تم پر گواہی دیں گی۔ اور یا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جوارح سے چھپ نہ سکتے تھے۔

2937- ﴿قَيَّضْنَا﴾ دوسری جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا﴾ [الزخرف: 36:43] ''اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے منہ پھیر لے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔'' اور قَيْضٌ انڈے کے اوپر کا چھلکا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ قرین یا شیطان اس پر ایسا غالب ہو جاتا ہے جیسے انڈے پر چھلکا۔ (غ) اور [قَيِّضُ اللّٰهُ لَهُ قَرِيْنًا] کے معنی ہیں اس کے

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝٢٦

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور اس میں شور ڈالو شاید تم غالب آجاؤ۔ (2938)

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢٧

سو ہم انہیں جو کافر ہیں ضرور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور ہم انہیں بہت بری باتوں کا بدلہ دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝٢٨

یہ اللہ کے دشمنوں کی سزا ہے (یعنی) آگ، ان کے لیے اس میں رہنے کا گھر ہے (یہ) اس کی سزا (ہے) جو وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

لیے تیار کر دیا یا ذریعہ بنا دیا، ایسے طور سے کہ اسے گمان بھی نہ تھا۔ اور زجاج نے قرآن کریم میں دونوں جگہ معنے کیے ہیں کہ ہم اس کے لیے شیطان یا قرین کو ایک سبب بنا دیتے ہیں اور یہ بطور جزا ہے۔ (ل) قُرَنَآءَ، قَرِیْنٌ کی جمع ہے۔ [دیکھو نمبر: 658]

اللہ تعالیٰ کا شیطانوں کو مقرر کرنا یا مسلط کرنا محض ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر شیطان کو بطور ابتدا مسلط نہیں کیا۔ ﴿وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ [إبراهيم: 22:14] ''اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا۔'' لیکن جب انسان شیطان کے ساتھ تعلق پیدا کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر بدی اسے اچھی لگتی ہے تو اس وقت درحقیقت شیطان کا پورا تسلط انسان پر ہو جاتا ہے ﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ﴾ [النحل: 63:16] ''سو وہ آج کے دن ان کا دوست ہے۔'' اسی حالت کا یہاں ذکر ہے۔ جب اعراض میں حد سے گزر گئے، کسی نیک بات کی طرف کان نہ دھرا۔ بدی سے محبت اور پیار ہو گیا تو گویا شیطان کے قبضہ میں آگئے اور پھر ان سے شیطانی خیالات کا ہی اظہار ہوتا ہے۔

2938- ﴿اَلْغَوْا﴾ لَغَا آواز کو کہتے ہیں اور ﴿الْغَوْا فِيْهِ﴾ کے معنی یہاں کیے ہیں [اَلْغَلَوْا فِيْهِ] یعنی اس میں شور ڈالو اور باتیں کرنے لگ جاؤ اور حدیث میں ہے کہ [وَمَنْ قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِصَاحِبِهِ صَهْ فَقَدْ لَغَا] (سنن ابی داؤد، باب: كتاب الصلوٰة، فَضْلِ الْجُمُعَةِ، حديث: 1053) یعنی جس نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اپنے ساتھی کو کہا چپ، اس نے بھی بات کی۔ اور اس کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ صحیح راہ سے ہٹ گیا۔ (ل)

قرآن کریم کے اثر کو باطل کرنے کی تدابیر:

قرآن کریم کا اثر چونکہ قلوب پر بہت ہوتا تھا۔ ابھی عتبہ جیسے دشمن کا ذکر ہو چکا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ آپ

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور جو کافر ہیں وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جنہوں نے جنوں اور انسانوں میں سے ہمیں گمراہ کیا تھا ہمیں دکھا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے ڈالیں تاکہ وہ سب سے نیچے رہنے والوں میں سے ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھے راہ پر جمے رہتے ہیں، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔(2939)

اپنے گھر کے صحن میں بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے تو کفار نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے یہ علاج سوچا کہ جب بلند آواز سے قرآن مجید پڑھا جائے تو دوسرے لوگ شور ڈالنے لگیں یا سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگیں یا اور بیہودہ باتوں میں لگ جائیں۔ جن سب کی غرض شور پیدا کرنا تھا تاکہ کوئی شخص قرآن کو سن نہ سکے۔ اسے وہ اپنے غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

2939- **استقامت سے مراد:** اس آیت کے معنی میں اقوال مختلفہ ہیں۔ اول استقامۃ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ان کی موت توحید پر ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ پھر شرک کی طرف نہ لوٹیں۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر استقامت اختیار کریں۔ یہی معنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کیے۔ (ج) اور استقامۃ کے اصل معنی بھی یہی ہیں کہ ایک انسان سیدھی راہ پر لگا رہے۔ [دیکھو نمبر: 1509] گویا ﴿قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ میں توحید قولی ہے اور ﴿اسْتَقَامُوْا﴾ میں عملی توحید ہے۔ کیونکہ استقامت فعل کو چاہتی ہے۔ دوسرا اختلاف نزول ملائکہ کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا موت کے وقت نزول ملائکہ مراد ہے اور بعض نے آخرت میں نزول ملائکہ لیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں ملائکہ کا آنا مراد ہے۔ گویا ان کا نزول بطور الہام ہے۔ (ر) اور قرآن کریم اسی آخری قول کی تائید کرتا ہے۔ اول اس لیے کہ خوف وحزن کا وقت یہ دنیا ہی ہے۔ دوسرا اس لیے کہ اگلی آیت میں ہے ﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس زندگی میں انہیں یہ تسکین دی جائے اگر وقت پر کوئی تسکین نہیں دی گئی اور موت کے وقت یا آخرت میں یہ کہا تو اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں اوپر آچکا ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [المؤمن: 51:40] ''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں مدد کرتے ہیں۔'' اور یہ نزول ملائکہ بھی درحقیقت انہی نصرت کے سامانوں میں سے ایک سامان ہے اور امت مسلمہ کی اس پر شہادت فعلی رنگ میں موجود ہے

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ۝۳۱

ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لیے اس میں (وہ سب کچھ) ہے جو تم مانگو۔

ع 4/7 18 نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲

(یہ) مہمانی بخشنے والے رحم کرنے والے (اللہ) کی طرف سے (ہے)۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳

اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔(2940)

وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴

اور نیکی اور بدی برابر نہیں۔ (بدی کو) بہت اچھے طریق سے دور کر، پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے۔ گویا وہ دل سوز دوست ہے۔

کہ اولیاء اللہ پر نزول ملائکہ ہوتا ہے [وَقَدْ قَدِمْنَا لَكَ جَمِيْعًا مِّنَ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ: بِتُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةِ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ فِيْ كَثِيْرٌ مِّنَ الْأَحَايِيْنَ] (ر) اور پہلے حصہ رکوع میں کفار کے اثر قرآن کو باطل کرنے کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ وہ اثر ایسا ہے کہ باطل نہیں ہوسکتا۔

2940- **دعوت الی اللہ** (اور یہی دعوت الی الاسلام ہے) بہترین کام ہے بشرطیکہ انسان خود بھی عمل صالح کرے مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر آج سب کاموں سے پیچھے یہی کام رکھا گیا ہے۔ اور اگر کوئی ایک کام ہے جس کی طرف تمام دنیائے اسلام کی آج بے توجہی ہے تو وہ دعوت الی الاسلام کا کام ہے۔ اور اگلی آیت میں بتایا کہ جو شخص دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں انہیں دوسروں کے ہاتھ سے دکھ بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ مگر ان کا کام نہیں کہ بدی کا بدلہ بدی پہنچائیں۔ بلکہ بدی کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بدترین دشمن بہترین دوست بن جائے گا۔ دعوت الی اللہ کے کام میں اس سے بڑھ کر کوئی روک نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان ہر ایک دکھ اور تکلیف کو جو دوسروں کی طرف سے اسے پہنچے بدلہ لینے کے لیے دل میں جمع کرتا جائے۔

وَ مَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

اور یہ (خصلت) انہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔ (2941)

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بری بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (2942)

وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔ سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو، جس نے انہیں پیدا کیا۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة

السجدة ١١

پس اگر وہ تکبر کریں تو وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں۔ رات اور دن کو اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں۔ (2943)

2941- ﴿يُلَقّٰىهَاۤ﴾ يُلَقّٰى کے معنی [يُعَلَّمُ وَ يُوَفَّقُ لَهَا] یعنی سکھایا جاتا اور اس کی توفیق دیا جاتا۔ (ل) اور ﴿يُلَقّٰىهَاۤ﴾ میں ضمیر اس خصلت کی طرف جاتی ہے یعنی بدی کو نیکی سے دور کرنا۔ ﴿حَظٍّ﴾ نصیب، مقدر کو کہا جاتا ہے ﴿فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ [المآئدة: 14:5] ”مگر وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے۔“ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [النسآء: 11:4] ”مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو۔“ (غ)

2942- یہ الفاظ ویسے ہی ہیں جو [الأعراف: 200:7] میں آئے ہیں اور وہاں دکھایا گیا ہے کہ مراد نَزْغٌ سے وسوسہ نہیں بلکہ تکلیف دہ باتیں ہیں جو دشمنوں کی طرف سے پہنچتی ہیں۔ یہاں بھی سیاق عبارت اسی معنی کو چاہتا ہے اس لیے کہ پیچھے بھی دشمن کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا ذکر ہے۔

2943- ﴿يَسْـَٔمُوْنَ﴾ سَاٰمَةٌ ملالت ہے اس سے جو دیر تک رہے فعل سے ہو یا اثر فعل سے ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ﴾ [49] ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ سے مراد عموماً ملائکہ لیے گئے ہیں مگر جو انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں قرب رکھتے ہیں وہ بھی اسی کا مصداق ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً
فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ
رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ
اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اوراس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تو زمین کو مردہ دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ ہلتی ہے اور پھولتی ہے۔ وہی جس نے اسے زندہ کیا یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(2944)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا
يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں کجروی اختیار کرتے ہیں ہم پر مخفی نہیں۔ تو کیا وہ جو آگ میں ڈالا جاتا ہے بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے۔ جو چاہو سو کرو، وہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔(2945)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ
وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ

جنہوں نے نصیحت کا انکار کیا جب وہ ان کے پاس آگئی (وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے) اور وہ یقیناً عزت والی کتاب ہے۔(2946)

وہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی راحت قلب اس سے بڑھتی ہے، ملال کبھی پیدا نہیں ہوتا۔

2944- ﴿خَاشِعَةً﴾ جب زمین خشک ہوجائے اور اس پر مینہ نہ برسے تو کہا جاتا ہے خَشَعَتْ۔ پس ﴿خَاشِعَةً﴾ اس زمین کو کہا جاتا ہے جو مُردہ ہو اور جس میں سبزی نہ ہو۔ اور ﴿اَلْاَرْضَ خَاشِعَةً﴾ اسے بھی کہا جاتا ہے جسے بوجہ نرمی کے ہوائیں اڑا لے جاتی ہوں۔ (ل) اس میں صاف اس انقلاب عظیم کی پیشگوئی ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ سے دنیا میں پیدا ہونے والا تھا۔

2945- الحاد کے لیے [دیکھو نمبر: 1786] یہاں مراد آیات الٰہی کے بارے میں باطل کی طرف مائل ہونا یعنی ان کی تکذیب ہے ظلم یا شک یا اعتراض بھی معنی ہوسکتے ہیں۔ اور ظلم ان آیات کے مٹانے پر زور لگانے میں ہے۔

2946- **کافروں کا کیا حشر ہوگا:** یوں بتایا کہ یہ کتاب جس کا انکار کرتے ہیں عزیز ہے یعنی غالب آنے والی چیز ہے نہ مغلوب ہونے والی [دیکھو نمبر: 841]۔ پس اس کے منکر ضرور ہے کہ آخر کار مغلوب ہوں۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

جھوٹ نہ اس پر اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ وہ حکمت والے تعریف کیے گئے (اللہ) کی طرف سے اتاری گئی ہے۔(2947)

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا گیا۔ تیرا رب بخشش والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔

وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ؑ

قرء حفص بتسهيل الهمزة الثانية ١٢

ع 5 12 19

اور اگر ہم اسے عجمی قرآن بناتے، تو کہتے اس کی آیتیں کھول کر کیوں نہ بیان کی گئیں۔ کیا عجمی اور عربی (برابر ہیں)؟ کہہ، وہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں نابینائی ہے۔ وہ دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔(2948)

2947- باطل آگے اور پیچھے سے اس پر نہیں آسکتا۔ مراد سب جہات ہیں یعنی کسی طرف سے نہیں آسکتا اور یا ﴿بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ یا سامنے سے مراد واقعات ہیں جو موجود ہیں یا گزر چکے۔ اور ﴿خَلْفِهٖ﴾ علوم ہیں جو بعد میں ظاہر ہوں۔ اور اسی لحاظ سے حکیم اور حمید کی صفات ہیں۔ یعنی اس کے علوم سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اور جو کچھ اس میں بیان ہوا اس پر اس کی تعریف ہوتی ہے۔

2948- ﴿اَعْجَمِيٌّ﴾ عُجْمَةٌ۔ اِبَانَةٌ یا کھول کر بیان کرنے کے خلاف ہے اور اِعْجَامٌ کے معنی ابہام ہیں اور عَجَمٌ خلاف عَرَبٌ ہے جس کے لیے [دیکھو نمبر: 1516] اور اَعْجَمُ وہ ہے جس کی زبان میں ابہام ہو، خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی۔ اور ﴿اَعْجَمِيٌّ﴾ اس کی طرف منسوب ہے اور چار پائے کو عَجْمَاءُ کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ناطق کی طرح اپنے مطلب کو بیان نہیں کرسکتا۔ (غ)

<u>یہاں قرآن اعجمی سے مراد</u> ایسی کتاب ہے جس میں کافی وضاحت نہ ہوتی [دیکھو نمبر: 1516] اسی لیے اس کے مقابل پر ﴿لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ فرمایا اور یہ اس لیے کہا کہ ان سورتوں میں بہت کھول کھول کر انذار کیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس قدر وضاحت کے کافروں کو اب بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ ﴿هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ کے یہی معنی ہیں اور ﴿يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ میں بھی یہی اشارہ

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ ؕ وَ لَوۡ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ اور وہ یقیناً اس کے متعلق سخت شک میں ہیں۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اپنی جان (کی بھلائی) کے لیے اور جو کوئی برا کرتا ہے تو (اس کا وبال) اس پر ہے۔ اور تیرا رب بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

الجزء الخامس والعشرون (25)

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾

اسی کی طرف (موعود) گھڑی کا علم حوالہ کیا جاتا ہے اور نہ کوئی پھل اپنے گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کسی مادہ کو حمل ہوتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے، مگر اس کے علم سے ہوتا ہے۔ اور جس دن انہیں پکارے گا میرے شریک کہاں ہیں؟ کہیں گے ہم تیرے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کا اقرار کرنے والا نہیں۔ (2949)

ہے کہ وہ ان کو دور کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ٹھیک سمجھ نہیں آتی [تَمْثِيْلَ لَهُمْ فِيْ عَدْمِ فَهْمِهِمْ وَ اِغْفَاعَهُمْ بِمَا دَعَوْا لَهُ] (ر)

2949- ﴿اَكۡمَامِهَا﴾ اَكْمَامٌ۔ كَمْ عدد کو ظاہر کرتا ہے اور سوال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور خبر کے لیے بھی اور اس کے بعد اسم پر مِنْ بھی داخل ہوتا ہے ﴿كَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا﴾ [الأعراف: 4:7] ''کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں۔'' اور كُمٌّ قمیص کا وہ حصہ ہے جو ہاتھ کو ڈھانکتا ہے یعنی آستین اور كِمٌّ وہ ہے جو پھل کو ڈھانکتا ہے یعنی گابھہ اور اس کی جمع ﴿اَكۡمَامٌ﴾ ہے ﴿وَّ النَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ﴾ [الرحمٰن: 11:55] ''اور گابھوں والی کھجوریں۔'' (غ) اَيْنَ سے مکان کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے یعنی کہاں۔ جس طرح مَتٰى سے زمانہ کے متعلق یعنی کب۔ (غ) مطلب نتائج اعمال کے ظہور سے ہے جنہیں عورت کے حمل سے اور پھل کے نکلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ [دیکھو نمبر: 1602]

وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ
وَ ظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

اور وہ جنہیں وہ پہلے پکارا کرتے تھے وہ ان سے کھوئے جائیں گے اور وہ یقین کرلیں گے کہ ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔

لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۫ وَ
اِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں اکتاتا، اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو مایوس ناامید ہو جاتا ہے۔

وَ لَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ
ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ
السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ
اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَ لَنُذِيۡقَنَّهُمۡ
مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۵۰﴾

اور اگر ہم اسے اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہو، تو وہ ضرور کہے گا یہ میرا حق ہے۔ اور میں (موعود) گھڑی کو آنے والا یقین نہیں کرتا۔ اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا جاؤں تو میرے لیے اس کے پاس یقینی بھلائی ہے۔ سو ہم ضرور انہیں جو کافر تھے جو وہ کرتے تھے بتادیں گے اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ
بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ
عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے، تو (لمبی) چوڑی دعا میں لگ جاتا ہے۔(2950)

2950- ﴿نَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ پہلو پھیر لیا یعنی اعراض کیا۔ [دیکھو نمبر: 927] اور ﴿نَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو تکبر کر کے اپنا منہ پھیر لے اور یہاں مراد ہے کہ اپنے خالق سے اپنے پہلو کو پھیر لیا۔ گویا اس کی عبادت اور دعا سے اعراض کیا اور یا اس کے معنی ہیں قبول سے دور ہو گیا۔ (ل)

﴿عَرِيۡضٍ﴾ اصل میں اجسام پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا استعمال غیر اجسام میں بھی ہے۔ اور ﴿عَرِيۡضٍ﴾ کے معنی وسیع ہیں اور مراد بہت دعا ہے جسے برابر جاری رکھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ خوشحالی میں انسان خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور تکلیف میں اس کی طرف جھکتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾	کہہ، کیا تم نے غور کیا اگر (یہ) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کا انکار کرو۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو دور کی مخالفت میں ہے۔
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾	ہم انہیں اپنی نشانیاں اطراف میں اور ان کی اپنی جانوں میں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان کے لیے کھل جائے کہ وہ حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد حال ہے۔(2951)
اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع 6/10/1	سنو! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ سنو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

2951- **اسلام کا غلبہ عرب میں اور اطراف عالم میں:** ﴿الْاٰفَاقِ﴾ واحد اُفُقٌ یا اُفُقٌ ہے اور ﴿الْاٰفَاقِ﴾ کے معنی نواحی یا اطراف ہیں۔ (غ) یعنی چاروں طرف۔ یہاں دو باتوں کا ذکر ہے ایک آفاق میں نشانیوں کا دکھانا، دوسرے اہل عرب کو ان کے اپنے نفسوں میں یعنی ملک عرب کے اندر اور مطلب یہ ہے کہ اسلام کی کامیابی مشرق و مغرب میں بھی دکھائیں گے اور خود ملک عرب میں بھی۔ سخت ترین مصائب کے وقت یہ عظیم الشان بشارت اور تسکین سوائے خدائے عالم الغیب کے کون دے سکتا تھا۔